



## ناولٹ

باہر جھانکنے لگیں۔  
گاڑی نہر کے بل پر سے گزر رہی تھی۔ کناروں پر  
ایسا وہ بلند دیوالا شیشم کے درختوں پر دھیرے دھیرے  
خزاں کا موسم سرایت کر رہا تھا۔ ان کے زرد نم پتے  
ٹوٹ ٹوٹ کر نہر کے پانیوں پر گرتے اور ہلکورے لیتے  
تھے۔ بوڑھا ٹیکر کا درخت اب بھی ہمیشہ کی طرح جھک  
کر نہر کے بڑے حصے کو اپنی شاخوں میں گھیرے سرخ  
گدے نہر کے پانیوں سے سرگوشیاں کر رہا تھا۔ اس  
کی بوڑھی شاخوں میں اب بھی چڑیوں کے گھونسلے  
جھانک رہے تھے۔  
یہ موسم سرما کا آغاز تھا۔

تو ثابت ہو گیا کہ یہ اک سفر لا حاصل تھا۔  
انہوں نے اک طویل سانس لے کر سر ہوا کی  
خفگی کو اپنے اندر جذب کیا۔  
اور اب پھر سے سفر لا حاصل درپیش ہے اور کھیل  
میں کیا کھویا کیا پایا کا سوال انہیں اپنا خاں دامن کس  
کو دکھاؤں گی۔  
گاڑی کے سامنے اسید بریکر آگیا تھا۔ ایک جھٹکے  
نے انہیں سوجھ بوجھ کے گرداب سے کھینچ نکالا۔  
انہوں نے اس کی طرف دیکھا اور گاڑی سے

اواکل سرما کی خنک خزاں زندہ سوج کا سورج سرخ  
تھال کی طرح جل دی بوڑھے کے عقب سے بلند ہو رہا تھا۔  
انہوں نے گاڑی کا شیشہ ہٹا دیا۔ ہانیہ نے ذرا  
حیرت سے انہیں دیکھا اور پھر سے باہر نظریں  
بمادیں۔ اوس میں بھیگی خنک ہوا کے جھونکے ایک دم  
بڑھ کر انہیں اپنے دھار میں لینے لگے۔  
اک کپکپی سی ان کے وجود پر چھا گئی۔  
براؤن کشمیری شمال اپنے شانوں پر پھیلاتے ہوئے  
انہوں نے گردن کھما کر ہانیہ کو دیکھا وہ دونوں ہاتھ گود  
میں دھیرے کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔  
”ہانیہ۔“ انہوں نے دھیرے سے پکارا۔

وہ سنی ان سنی کر گئی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور  
سوئی ہوئی سی تھیں۔ چہرے پر خفگی کے ساتھ ساتھ  
چمکن کے اثرات بھی نمایاں ہو گئے تھے۔





ہوتے ہیں۔ ہرگز سے لڑائی نہیں۔ چڑھایا۔  
 "ٹھیک ہوں میں۔" وہ نظروں کا زاویہ بدلے بغیر  
 بولی تھی۔

"تم جانتی ہو نا وہاں کون کون رہتا ہے۔" سن کابل  
 باتیں کرنے کو چاہ رہا تھا شاید وہ گھر پہنچنے سے پہلے  
 ہائیہ کامو ٹھیک کرنا چاہتی تھیں۔

"ہاں۔"  
 "مجھے کچھ نہیں پتا مانا! آپ مجھے اس سے قبل بھی  
 نہیں لائیں۔" وہ سیٹ سے لہجے میں ان کی بات  
 کاٹ لئی۔ یہ ایک بیل کو خاموش رہ گئیں۔  
 "تسارے بیا نہیں چاہتے تھے کہ تم ان سب سے  
 ملو۔" انہوں نے اس کی تسلی سے بتایا تو ہائیہ نے گرجن موز  
 کر کے جد جہت سے اس کی تسلی کی۔  
 "بیا نہیں چاہتے تھے؟" اس کے لہجے میں بے  
 چینی تھی۔

"وہاں تساری نانو ہوں گی۔ جنھیں سبیل بی جان  
 کہتے ہیں تسارے ساموں منگور غوث شمالی شاہد ان  
 کہتے ہیں۔"

"مانا وہاں جا رہے ہیں تو مل اہل کی۔" عالیہ اس کی  
 حیرت اس کا سوال بکسر نظر انداز کرتی تھیں۔ ہائیہ کو  
 اچھا نہیں لگا تو بات کاٹ کر رکھائی سے بولی گئی۔  
 عالیہ ایک بل کو خاموش ہو گئیں۔ گاڑی شرکی  
 حدود سے باہر نکل آئی تھی۔ اکاؤ کا لھر اہلیت اور باغات  
 کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

"یہ پینٹول پمپ بھی تسارے ساموں کا ہے۔"  
 ہائیہ نے نظرا تھا کر ذرا کی ذرا پینٹول پمپ کی سرخ  
 عمارت کو دیکھا اور سامنے نظریں جمادیں۔ کوئٹہ کی  
 سیاہ اوس میں بھی سڑک اوپے اوپے درختوں میں  
 گھری تھی۔ اسے یہ سب بہت عجیب سا لگ رہا تھا وہ  
 پوچھنے بغیر نہ رہ سکی۔

"کیا انکل منظور گاؤں میں رہتے ہیں۔"  
 "گاؤں اور شہر کے سنگم پر ویسے تم انہیں ساموں  
 کو مٹی تو انہیں اچھا لگے گا۔" عالیہ نے مسکرا کر اسے

دیکھا۔ اس نے اپنی جواب نہیں دیا۔  
 "ان کا اپنا فارم ہاؤس ہے۔" سگترے کے باغات  
 ہیں۔ ایک پھولی سی جڑ فیکٹری ہے۔ نیاز فوڈ فیکٹری۔  
 وہاں جو سزاور جسم ویسے رہتے ہیں۔

ہائیہ احمد نے یہ تفصیل قدرے حیرت سے سنی  
 تھی۔ سامنے اسے کبھی یہ سب نہیں بتایا تھا۔  
 "فارم ہاؤس میں کھڑے بھی ہیں۔" اس نے  
 ایک دم بچھا لہجے میں ہلکا سا اشتیاق در آیا تھا۔ یہ  
 سب اسے ایک دم سے ہزارہینشک سا لگا۔ عالیہ  
 مسکرا دیں۔

"نہیں بابا کے زمانے میں تو تھے بعد میں کسی کو  
 شوق ہی نہیں رہا۔ یہ بھی سب سے کہ یہ فارم ہاؤس اور  
 باغات بچ رہے۔ رامنش آری میں چلا گیا۔ دانش ہائر  
 اسٹڈیز کے لیے امریکا چلے گئے۔ یہاں تو بس شیراز  
 ہوتا ہے۔"

"نہیں یہ ضروری تو نہ تھا کہ ہم اپنا گھر چھوڑ کر  
 یہاں آتے۔" اسے از سر نو یاد آیا۔  
 "یہ ضروری تھا۔" ان کا لہجہ بیگانہ اور سیات  
 ہو گیا۔  
 "آپ بابا کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھیں مگر وہ  
 گھر چلا گیا تھا۔ آپ دوسرے سیات سے الگ اس گھر  
 میں رہ رہی تھیں۔"

"ہائیہ احمد! انہوں نے بہت سختی سے پکارا تھا۔  
 ہائیہ نے اب بچھ لہجے سے غصے میں ہوتیں تو  
 اسے ہمیشہ ہرے نام سے پکار میں لیں۔ اس بل جو  
 اجنبیت اور غمی ان کے لہجے میں در آتی تھی اس کی  
 تسلی کرنے کی وہ محسوس کرتی تھیں۔ "میں اس  
 موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔"

ہائیہ احمد مزید بک کر رہی۔  
 "بھئی کبھی مجھے گناہ ملے! آپ کو مجھ سے ذرا  
 محبت نہیں رہی۔" اس کی نگاہیں ابھرتے سورج کی  
 نوخیز کرنوں سے اجڑ رہی تھیں۔

"تم مجھے یہ احساس دلاؤ کہ میں نے تمہیں  
 اپنے ساتھ لاکر نکلیں گی۔" ہائیہ کی طرح اپنے

خلل میں بند ہو گئی تھیں۔ اس کی بات گویا سنی ہی  
 نہیں۔  
 "آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں لانا چاہتی تھیں۔" وہ

بدگمان ہو گئی۔  
 "ایسا کچھ نہیں ہے۔ شاید تم اپنے بابا کے ساتھ  
 رہنا چاہتی تھیں۔ میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا  
 تھا۔"

"تو آپ مجھے واقعی نہیں لانا چاہتی تھیں۔" ہائیہ  
 نے ایک طویل سانس لے کر انہیں دیکھا۔ اس سے  
 قبل کہ وہ کچھ بولتیں، خاموشی سے ڈرا یونگ کرتا

ہو گیا۔  
 "اب کس طرف جانا ہے؟" ہائیہ نے پوچھا۔  
 سڑک اب تین حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔  
 "دائیں طرف مڑ جاؤ۔"

گاڑی نے دائیں طرف رخ موڑا۔ اور اس کے  
 ساتھ ہی دور تک پہلے سگترے کے باغات کا سلسلہ  
 شروع ہو گیا۔ فضا میں سگتروں کی کٹھنی میٹھی مسک  
 شامل تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف سرسبز باغات  
 نوخیز درختوں کے دھیرے دھیرے اتر رہی تھیں۔ پائوں کے  
 درخت لدے ہوئے تھے اور سڑک کے کنارے پرانی  
 "نیاز فارم ہاؤس" اور "نیاز فوڈ فیکٹری" کا بورڈ آویزاں  
 تھا۔ اور جلد ہی اس کی نگاہوں کی گرفت میں آئے۔

تھا شاہد درختوں میں گھرا ہوا بڑے بڑے درختوں اور  
 والائوں والا سفید گھر آگیا ہے۔ جس کی بیرونی دیواروں  
 پر سفید رنگ کی لکڑی لگی تھی۔ بڑا سا لکڑی کا  
 جھولتا ہوا اچھا لگ کھانا ہوا تھا۔ سرخ اینٹوں کی بنی روش  
 کے گرد سفیدے کے درخت اور ہار سنگھار کے پیرنڈ  
 منڈ حالت میں کھڑے تھے۔ وسیع و عریض باغیچے میں  
 بھی بے تحاشا آم، امرود، جامن اور کیلے کے درخت  
 نظر آ رہے تھے۔ گاڑی چھلکتی ہوئی گول ستونوں والے  
 پر آمدے کے ساتھ متصل پورچ میں جا کھڑی ہوئی  
 تھی۔

"آجاؤ ہائیہ! گھر آگیا ہے۔" عالیہ کے لہجے میں ہلکی  
 سی خوشی کی رمت جاگی تھی۔ ہائیہ گاڑی سے نیچے اتر

آئی۔ اس نے ایک نظر پھر سے ڈٹ کر باغیچے پر ڈالی  
 اس نے ہیٹھ اک چھ دیوہیل ڈیگور ٹیڈ گھر اور ایک بچہ  
 سجائے لان میں زندگی گزار رہی تھی۔ مگر اس گھر کے  
 پر آمدوں، دروازوں اور درختوں میں قدامت جھلکتی  
 تھی۔ اور اس کے باغیچے میں اک خوبصورت بے  
 ترنجی نظر آئی تھی۔

"یہاں کے لوگ ماضی پرست ذہن کے مالک لگتے  
 ہیں۔"  
 یہاں خیال اس کے ذہن میں آیا تھا۔ ماما جالی کا  
 دو روزہ گھول کر اندر داخل ہو گئی تھیں۔ ہائیہ نے بھی  
 ان کی تقلید کی۔

"انہو شرابا! تم اتنی ست ہو کہ کیا بتاؤں، تمہاری  
 جگہ میں دس کمرے صاف کرتی۔" جسنی لائی ہوئی  
 مترجم آواز ابھری تھی۔  
 "تو بی بی! آپ یہ کر لیں، وہ دس کمرے میں صاف  
 کرتی ہوں۔" ٹریا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یائیں بھالو تم سے، جاؤ ماما کے ساتھ کچن میں  
 ہاتھ بٹاؤ، ابھی وہ شہزادہ عالم انھہ گئے تو دو ڈیس لکوا دیں  
 گئے۔"

ڈرائنگ روم کے بچوں سبز لباس میں ملبوس وہ  
 نازک سی لڑکی کہتے کہتے پلنی۔ پھر ٹھٹھک کر رک  
 گئی۔

"عالیہ پیچھو۔" دوسرے بل وہ ان سے لپٹ گئی  
 تھی۔

"پیچھو کی جان! کیسی ہو؟"  
 "ایک دم فرسٹ کلاس گھر پیچھو آپ اتنی اچانک  
 اور وہ بھی بغیر اطلاع کے۔"

ہائیہ قدرے حیرت سے اس لڑکی کا جوش دیکھ رہی  
 تھی تب ہی اس کی نگاہ ہائیہ پر پڑی۔

"ارے یہ ہائیہ ہے نا۔"  
 "ہاں اور ہائیہ یہ تمہاری کزن سہیل ہے۔" عالیہ  
 نے تعارف کروایا۔

"یہ بہت اچھا کیا پیچھو! آپ ہائیہ کو لے آئیں۔  
 بچ میں بہت بور ہوئی تھی گھر میں۔ کیوں ہائیہ! دو سنی



رہے گی تاہم اس بے تکلفی اور کرمجوشی سے اس نے ہانیہ کا ہاتھ تھام لیا۔

”اوشیور۔“ ہانیہ احمد کو وہ سانپ پر خلوص سی لڑکی اچھی لگی تھی۔ شریا نے جا کر سب کو خبر کر دی تھی۔ تن واحد میں سب کے سب جمع ہو گئے، بی بی جان کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ شاہدہ مہمانی بچن سے ہاتھ میں چھری اور پیاز تھامے لپک کر آئی تھیں۔ ماسوں شاید نملنے کے ارادے سے کندھے پر ٹوکے رکھے گھوم رہے تھے۔ کس محبت سے انہوں نے عالیہ اور ہانیہ کو گلے لگا کر پیار کیا تھا۔

”ارے ابھی شاہدہ! کچھ ناشتے کا بندوبست کرو۔“  
”اب تو اس سب سے ناشتہ بنے گا۔“ وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔  
”نہیں شاہدہ! اہتمام کی ضرورت نہیں۔“ عالیہ نے رد کیا۔

”میں شیراز کی فرمائش پر آؤں گی، کچھ اور پوریاں بناری بھی۔“  
”بس تو پھر ہو گیا نا اس سب سے ناشتہ۔“ عالیہ مسکرائیں۔

”ہاں اور ساتھ میں سوئی اور پٹنوں کا علوہ بناؤ۔“ ایلٹ اور۔

”بس بی بی جان کافی ہے یہ سب۔“ اس کے پاس کہ بی بی جان کچھ اور گناہیں عالیہ نے رد کر دیا۔ سب کے سب عالیہ کے گرد جمع تھے۔ ہانیہ کو ایک بل کے لیے اپنا آپ قالو سا لگا تب ہی کوئی آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔

”کہاں ہیں؟ کہاں ہیں؟ ہماری بیماری اور اکلوتی پیچھو جانی ہائیں۔“ وہ ایک جھٹکے سے روکا اور تھیر سے بولا۔

”یہ پیچھو کی شکل شریا سے کیسے مل گئی؟“  
”تو یہ ہے شیراز بابو۔“ دروازے کے عین درمیان کھڑی شریا سر پر ہاتھ مار کر باہر نکل گئی۔  
”پیچھو۔“ وہ لپک کر قریب ہوا ”یا اللہ یہ میری نظروں کا دھوکا یا اللہ کی قدرت ہے۔“

اس نے پلکیں جھپک جھپک کر ہانیہ کو دکھا۔  
”لاہور سے چچا وطنی آتے آتے یہ کیا جادو ہوا کہ پیچھو پھر سے یک ہو گئیں۔“ می ایک چکر لی بی جان کو بھی لگوا دیں۔ ایک دم یک ہو جائیں گی، سچ مجھے بڑا شوق ہے بی بی جان کو عالم جوانی میں دیکھنے کا۔“  
”یہ لڑکا تو بالکل ہی پاگل ہے۔“ بی بی جان نے اسے بری طرح گھورا۔

”ڈیڈی ہمیشہ کہتے ہیں کہ میں پورے کا پورا آپ پر گیا ہوں۔“ وہ معصومیت سے گویا ہوا۔

”مجھ پر نہیں اپنی ماں پر پڑے ہو۔“ بی بی جان نے چڑ کر کہا۔

”اسی لیے میں اتنا خوبصورت ہوں۔“ وہ خوش گیا اور پھر ہانیہ کی طرف متوجہ ہوا۔  
”میری سمجھ میں نہیں آ رہا اب میں آپ کو پیچھو کیسے کہوں گا۔“ کان کھاتے ہوئے وہ کچھ پریشان نظر آیا۔

”احتمال لڑکے! میں یہاں ہوں۔“ عالیہ نے ہنستے ہوئے عقب سے اس کے سر پر چیت لگائی۔  
”اے پیچھو! وہ پٹا اور ان سے پست کیا۔“  
”پیچھو! اس کمرے میں صرف میں آپ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہوں۔“

”سفید جھوٹ۔“ سیمل فوراً بول اٹھی۔  
”ان کی باتوں پر مت جائے گا۔ یہ سب مجھ سے ہے۔“

”ہاں! تم تو شہزادی ڈیانا ہونا۔“ بی بی جان چڑ کر بول اٹھی تھیں۔ سب کے لبوں پر بکھرنے والی مسکراہٹ اتنی بے ساختہ تھی کہ وہ سر ہینٹ کر رہ گیا۔ بی بی جان نے ایک دفعہ ڈیانا کوئی وی پردیکھ لیا تھا شیراز نے ہی اس کی تعریف میں نشن و آسمان کے فلا بے ملائے تھے۔

”آپ شہزادہ چارلس کہہ لیں۔ اگرچہ کہاں وہ کہاں ہم۔“ خگل سے کہتے کہتے آخری جملہ وہ شوخی سے کہہ گیا تھا۔  
”نہ بھو بھی سے خیریت پوچھی نہ کچھ اور“ آتے ہی

پنی اونگی ہو گئی حرکتوں پر اتر آئے۔  
”شاہدہ! پتا نہیں تمہارا یہ لڑکا کس پر پڑا ہے۔“ بی بی نے گھورا۔  
”آپ پر۔“ وہ اطمینان سے کہہ کر عالیہ کی طرف متوجہ ہوا۔

”پیچھو! یہ رو بھی حینہ کہاں مل گئیں آپ کو؟“  
اس کی شرر نگاہوں نے ہانیہ کو فوکس کیا۔ تب ہی منظور غوث صاحب نے کھنکار کر گویا اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

”اف۔“ وہ جھٹ زبان دانوں تلے دبا کر سیمل کی طرف پلٹا۔

”بتا نہیں سکتی تھیں آپ کی ڈیڈی یہیں ہیں۔“  
”تم نے اپنی آنکھیں کسی کو ادھار دے رکھی ہیں کیا؟ اور میں ڈیڈی کے صبر کی انتہا دیکھ رہی تھی۔“ وہ مزے سے بولی۔

”شیراز! یہ بات ہے اور ہانیہ یہ شیراز اور تم اس کی سمجھتی میں بالکل بڑبڑ نہیں ہوگی۔“

عالیہ نے تعارف کرایا اور بی بی جان کے پاس جا بیٹھیں۔ وہ لوگ اپنی باتوں میں مگن ہو گئے۔ سیمل کو شاہدہ مامی نے اپنی ہڈی کے لیے ریکار لیا۔ شیراز کچھ مجھے کھڑا ادھر ادھر ہوتا ہوا پھر اس کے پاس آ بیٹھا۔

”ہائے مس ہانیہ! میں شیراز ہوں اور بہت خوبصورت ہوں۔“ یہ گویا تمہید تھی ہانیہ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا تو اس نے فوراً وضاحت کی۔

”ذرا اصل یہاں سب لوگ بہت خوبصورت ہیں۔ اس لیے مجھے ہمیشہ بتانا پڑتا ہے کہ میں بھی ہوں، آپ اسے خود فریبی مت سمجھئے گا۔ میں ہمیشہ حقیقت بیان کرتا ہوں۔“

اس کے ہونٹوں پر شرر بچوں کی سی مسکراہٹ تھی۔ کھڑی ٹاک سپید رنگت، جاذبِ نظر نقوش اور چمکتی ہوئی ذہن آنکھیں۔ بلاشبہ وہ خوبصورت نوجوان تھا۔ ہانیہ مسکرا دی۔

”ہانیہ جی۔!“  
”تم مجھے آپ کی کہہ سکتے ہو۔“ ہانیہ کو اس کا بات



کرنے کا بے ساختہ انداز اچھا لگا تھا اس کے خیال میں ایسے لوگ منافق نہیں ہوتے۔

"نہ ایک اور آپلے اللہ میاں جی۔" اس نے سراٹھا کر بیوی سے کسی سے اور دیکھا "کب میں ہونا ہوں گا؟ آخر مجھے کب ان آبیوں کے چنگل سے نجات ملے گی۔ ایک بات تو بتائیں بانیہ۔" وہ ایک لمحے کو رکنا یہ ہر لڑکی مجھے دیکھتے ہی بھائی کیوں بناتی ہے۔ کیا میرے چہرے پر بھائی بن چکا ہے یا وہ بھائی بن گیا ہے۔ وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے فکرت سے کہہ رہا تھا۔

"نہیں بھئی ایسی تو کوئی بات نہیں۔" بانیہ مسکرا دی۔

"لیکن یہ پر اہم تو ہے نا اس طرح تو میں کتوارہ جاؤں گا۔"

جس فکر اور بے بسی سے شیراز نے کہا تھا بانیہ بے ساختہ ہنس دیتی تھی۔ اس کی ہنسی کی آواز پر بانیہ نے پلٹ کر اسے دیکھا اور قدرے مطمئن ہو گئیں۔ انہیں معلوم تھا شیراز کی باتیں بانیہ کا ذہن بھٹائیں گی۔ بانیہ بھی سب کچھ بھل کر شیراز کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گئی تھی۔

"تم فکرت نہ کرو تمہارے لیے ہم بہت اچھی سی لڑکی دھونڈیں گے۔"

"رنگی۔" شیراز اچھل پڑا اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"وہہ کریں۔" اس نے ہاتھ پیچایا۔

"وہہ بھئی۔"

"شیراز۔" شاہدہ مائی نے آگ لکھا تو جھنجھو کر پکارا۔ "تم ابھی تک بانیہ کے کان کھا رہے ہو؟"

"دونوں اپنی جگہ پر موجود ہیں۔" وہ دونوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"بانیہ کو سیمل کے کمرے میں لے جاؤ وہ فریض ہوئے تو پھر ناشتہ کرتے ہیں۔"

"آئیں آئی! آپ کو کمرہ دکھاؤں پھر مجھے ذرا ناشتہ کا جائزہ بھی لینا ہے۔"

شیراز نے کہا تو وہ اس کی سمیت میں سیمل کمرے میں آگئی۔ شاہدہ مائی نے اس کا سوٹ دیکھ کر بھی سیمل کے کمرے میں ہی رکھوا دیا تھا۔

"اچھا رہے گا۔" وہ جوں جوں آنے کے خیال سے ہی خائف تھی اب قدرے سہولت سے سوچ رہی تھی۔ "بہت فریک اور محبت کرنے والے لوگ ہرگز آئی فتنک میں یہاں سیٹ ہو جاؤں گی۔ ماما بھی ہرگز خوش دکھائی دیتی ہیں۔ مگر میرے ساتھ ان کا مدیہ بہرہ بدل سا گیا ہے۔ کبھی ایک دم مہیاں تو کبھی ایک دم ابھی۔ حالانکہ میں نے کب چاہا تھا کہ بیسیکٹڈ میرا کریں۔ یا شاید ماما کے اسی رویے نے ایسا کو ان سے کر دیا۔"

شاور لیتے ہوئے اس کی سوچیں پاپا اور اس گھر کے کمپن کے درمیان کھومتی رہی تھیں۔

"خدا کا آپ اتنی سوری میں نہ لیں؟"

شیراز کی تیر بھری آواز پر کیلے بالوں میں چلتی اس کی انگلیاں رک گئی "اس نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرایا۔

"آئی آپ کی کمال چڑے کی ہے۔ حترمہ و سہر کا شکر ہونے والا ہے۔"

شیراز کی باتوں پر بالکل مت جانا اس کا ایک ہی اصول تھا۔ سب باتوں کے شروع میں نہالو اس کے بعد باری کر میٹل کے آغاز میں آتی ہے۔ اس کے پیچھے سیمل اندر داخل ہوئی۔

"میں تو صابن ہائی کا خرچہ بچاتا ہوں۔" وہ ڈھٹائی سے کندھے اچکا کر ڈالا۔

"ہاں اک آئی جانے میں جیت۔ جیتی ہے میں جس ناشتہ کے لیے جانے آئی تھی بانیہ سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔" سیمل نے کہا تو بانیہ نے ڈرنگ روم کی طرف اشارہ کیا۔

"چلو تم لوگ میں آتی ہوں۔" اس نے بیک سے نکالی جیسی ہیست اور فم میں سیمل نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ ڈالا۔

"رہے۔" ابھی میں تمہارے لیے اپنے ساتھ والا کمرہ سیٹ کر رہی ہوں گی۔"

"ساتھ والا۔" شیراز جھجکاتا "وہ کمرہ میرا ہے۔"

"اب نہیں ہے۔" سیمل اطمینان سے بولی "تم اپنا سامان اٹھا کر کہیں بھی دفع ہو جاؤ۔"

"بابا ہریش میں ڈیر اڈال لوں۔" وہ بھٹنا کر بولا۔

"بھید شوق۔" اس نے مزے سے کہا اور بانیہ کا ہاتھ تھام لیا۔ "آؤ چلیں۔"

"میں پیچھے ہیں خیمہ ڈال لوں گا۔"

"ضرور ضرور میں بھی مذاق نہیں کر رہی۔"

"مجھے ٹھنڈ بھی لگ سکتی ہے۔"

"مشکل ہے کینڈے کی کھال ہے۔" اس نے مزے سے کندھے اچکا۔

"یہ یہ میری آئی ہیں؟" شیراز نے بانیہ کی کچھ کر گویا شکایت کی تھی۔

"کیوں ڈسٹرب کر رہی ہو اسے سیمل! میں کہیں بھی رہ لوں گی۔" بانیہ نے کہا اس نے فٹ سے نفی میں سر ہلادیا۔

"نہروں کی۔"

"تو دائیں طرف والا کمرہ لے لو۔" شیراز نے فوراً مشورہ دیا۔

وہ رامش بھائی کا ہے اینڈ نو نو وہ جب بھی واپس آتے ہیں اپنے کمرے میں ہی چھپ جاتے ہیں۔ سیمل نے کہا تو کمرہ کھلا کر دیکھا تو اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"او کے ڈیر سسٹر! تمہارے لیے یہ کام بھی کرنا پڑے گا۔"

"تھنک یو شیراز۔ تم بہت اچھے لڑکے ہو۔"

بانیہ نے مسکرا کر کہا۔

"تھنک گاؤ کسی نے میری اچھائی کو تسلیم تو کیا۔"

اب چلیں ناشتہ پر ہمارا انتظار ہو رہا ہے۔" شیراز نے ہاتھ پھیلا کر کہا تو وہ دونوں آگے چلی گئیں۔

♥ ♥ ♥ ♥

"آخر تمہیں بانیہ کو ساتھ لانے کی کیا ضرورت

تھی۔؟"

بانیہ کے اٹھتے قدم ساکن ہو گئے۔ اور ساتھیوں ہم تن گوش ہو گئیں۔ وہ کبھی تھی سب لوگ اس کے آنے پر خوش ہیں۔ مگر یہ بی بی جان تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔

"آپ بھی ایک بات کو لے کر بیٹھ گئی ہیں بی بی جان! اب چھوڑیں بھئی۔ منظور ماموں کی جھنجھاکتی ہوئی آواز آئی تھی۔ وہ فکرت سے کہہ ماما کچھ کہیں کی ٹرا اس کی جگہ پھر سے بی بی جان کی آواز ابھری تھی۔

"مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ اس شخص کی اولاد کو کیوں ساتھ لیے بھرتی ہے۔"

"تو یہ لوگ ماما کے کئے کی سزا تھے دیں گے۔" اس کے دل وہ مایوس لگ اٹھے۔

"بی بی جان! میرا تو خیال ہے اب اس ٹاپک کو بند ہی کر دیں تو بہتر ہے۔" ماما کی آگاہی آواز آئی تو بات بدل گئی۔

"میں ذرا ٹیکنری جا رہا ہوں۔ شیراز اٹھے تو اسے بھی بھجوا دینا۔ سارا دن ادھر ادھر گزار دیتا ہے۔ ذرا مدد دار نہیں ہے یہ لڑکا منظور ماموں اٹھے تھے۔

"سارا دن تو گھسار رہا ہے تمہارے ساتھ بی بی جان خود جو بھی مرضی کہہ لیں کسی دسرے کو نہیں کہنے دیتی تھیں۔ بانیہ پلٹ گئی۔ برآمدے کے اختتام پر ہی کچن کا دروازہ کھلا تھا۔ کھانے کی اشتیاء انگیز خوشبو باہر تک آرہی تھی۔ وہ بلا ارادہ ہی اندر داخل ہو گئی۔

"آؤ بانیہ! آج تو بہت سوئیں۔" شاہدہ مائی نے آہٹ پر پلٹ کر دیکھا۔

"جی۔ سیمل کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں پر تھ رہی ہوگی۔" انہوں نے مکر میں گوشت ڈالا۔ ایک دو بار چلا کر ڈھک دیا اور خود موبائل کش۔ کرنے لگیں بانیہ یونہی دروازے کے ڈیرائن پر انگلی پھیرتی نجانے کیا سوچنے لگی تھی۔ شاہدہ مامائی نے خاموشی محسوس کر کے پلٹ کر دیکھا۔

"کیا سوچنے لگیں بانیہ۔؟"

بانیہ جو کئی۔ پھر سر جھٹک کر ان کے پاس آگئی۔



”میں کچھ پھیل کر آؤں۔“

”تمہیں کوئی آتی ہے۔“ کئی ہوئی سولی انہوں نے دی میں کھسکی۔

”میں آتی تو نہیں۔“ ہانیہ نے قدرے شرمندگی سے کہا تو مسکرا دیں۔

”کوئی بات نہیں، میں تمہیں سکھا دوں گی۔“ انہوں نے محبت سے ہانیہ کو دیکھا۔ چند دن ہوئے تھے اسے یہاں آئے ہوئے مگر انہیں وہ بہت سنبھلی ہوئی اور باری لگی تھی۔

”آپ بہت مزے کا کھانا بناتی ہیں۔“ ہانیہ نے ستائشی لہجوں سے انہیں دیکھا۔ بہت کیوت اور یکساں سی قسمی جس شانہ آئی کہیں سے نہیں لگتا تھا کہ وہ اتنے بہت بچوں کی ماں ہیں۔

”کیا کریں مجھ کو؟“ بی بی جان سے لے کر شیراز تک ہر کوئی اچھا کھانے کا شوقین ہے۔ پھر ہر کسی کی انگلیاں اب کوئی کام ہی نہیں رہا۔ جب دانش اور دانش سال ہوتے تھے تو میرا سارا سارا دن کچن میں گزرتا تھا۔ سب سے کم تک مجھے رامنش نے کیا سہا ہائی دونوں تو شیطان تھے پورے۔

”یہ دور تھے اور ہر مل یا آتے تھے ہانیہ ان کے لیے میں ماما کی تربیت کو پوری طرح محسوس کر سکتی تھی۔ شانہ آئی کافی بڑے موضوع شروع ہو گیا تھا سو وہ بولتی پھلتی تھیں۔ دانش کی شرارتیں، شیراز کی معصومیت، رامنش کی سنجیدگی۔

ہانیہ کے بے کل من میں وہ جھانک رہی تھی۔

”میں نے گزر گئے۔ ملا کے لیے میں میرے لیے نہ ایسی تربیت ہوتی ہے نہ باریک بینی اور نہ ہی میں ملنا مجھ سے۔“ اس کی سوجھ بوجھ کی رخ اور ان کی شیراز کی تدبیر پلٹا تھا۔

”بس بہت ہو گیا۔ میرے ساتھ۔ ملا مجھے اب اجازت دیں۔“ وہ بڑے غصے میں تھا۔

”میں نہیں دے رہی۔“ انہوں نے صاف کہہ دیا۔

”اف اس گھر میں میری کوئی قدر نہیں ہے میں۔“

اس گھر میں کود کر خود کشی کر لوں گا۔“ اس نے دھمکی دی۔

ساتھ ہی لہجہ بدل کر پوچھنے لگا۔

”بائی داؤس! آپ نے کیا کیا ہے؟“

”جب کووہ گئے تو دیکھ لیتا۔“ انہوں نے جھنجھلا کر کہا۔

”یعنی میں کووہ چاؤں؟“ شیراز نے آنکھیں پھیلا دیں۔

”شیراز مت تنگ کرو مجھے۔“

”تو پھر مجھے اجازت دیں۔“ وہ نرموٹھے بنا رہا تھا۔

”فرخ میں بڑی بے لگو۔ وہ جس روانی سے بولی تھیں، شیراز اسی روانی میں فرخ کی طرف مڑا۔

”ہانیہ کی بے ساختہ ہنسی اس کے کانوں میں گونجی۔ اس نے پلٹ کر پہلے ہانیہ کو پھر ملنا کو دیکھا اور سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

”کبھی کبھی تو آپ ثابت کر دیتی ہیں کہ آپ میری ہی ماں ہیں۔“

”شیراز یہ الجھن آپ باہر جاؤ وقت پر کھانا نہ ملاؤ۔ سب سے پہلے تم ہی شور مچاؤ گے۔“

”مگر وہ اجازت۔“

”کوئی اجازت نہیں ماما! یہ کوئی وقت ہے سوات جانے کا۔“

”تم جی فیضان بھائی کو کھانا لکھتی رہو، چپ چاپ رہو۔“

”وہ چ کر بولا تھا۔ سیمل نے خبردار شانہ آئی کی طرف دیکھا۔ اور منہ ہی منہ میں بددلی۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے۔“

”یہ سوات درمیان میں کہاں سے آگیا۔“ شانہ نے چوہا بند کیا اور قدرے فرمت سے شیراز کو دیکھا۔

”بس مجھے ہل جانا۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے ڈیڈی کو بتا چلا تو بہت غصا ہوں گے۔ پائی کہتے ہیں کہ تم کام سے

جان پڑاؤں گے۔“ یوں بھی پھل اترنے کا موسم آ رہا ہے۔

”فہرست بڑھ جائے گا۔ آخر تمہارے ڈیڈی اکیلے کیا کیا دیکھیں۔“ اس وقت کسی بھروسے کے آدمی کی ضرورت ہے مگر ان کے لیے۔

”مستے ڈھیر سارے ملا زمین میں سے کوئی بھروسے کا بندہ نہیں ملے گا ڈیڈی کو۔ جب میں ہاسٹل میں ہوتا تھا تب کون کرنا تھا سب کچھ۔“

”آپ نے ڈیڈی سے پوچھو جا کر۔“ انہوں نے چڑ کر بات ختم کی۔

”ان سے آپ پوچھیں ناں۔“ شیراز نے لاڈ سے کہا۔

”ہرگز نہیں ہانیہ! کوئی ہے اور تمہاری پیچھو کر اس سوچیں گی۔“ انہوں نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

”ہانیہ کچھ نہیں سوچے گی۔“ ہے نا، ”شیراز نے اپنی معصومیت سے پوچھا کہ ہانیہ کا سر بے اختیار اٹات میں مل گیا۔

”مگر اتنی سردی ہوگی وہاں۔“ وہ باہر نکلتے ہوئے بول رہا تھا۔

”ہانیہ! آئی ایک ٹاٹ لے جاؤ۔“

”آئی تمہیں یہ فاسخ رہ رہ کر پور ہو گیا ہے۔ اس کا رزلٹ آجائے تو مصروف ہو جائے گا۔“ سیمل نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

”مگر اس کے دم سے بہت رونق ہے۔“

ہانیہ نے کہا پھر کچھ یاد آئے پر پوچھنے لگی۔ ”یہ فیضان کون ہے؟“

”فیضان۔“ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ ”مامی فانیسی۔“ اس کے انداز میں ہلکا سا شرمیلا پن ابھر آیا تھا۔

”اوہ۔“ ہانیہ نے چھینرنے کے انداز میں کہا۔ تو شرمیں مسکان نے اس کے گلابی لبوں کا احاطہ کر لیا۔

”ہماری انجینسٹ بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔ میرے ماموں کے بیٹے ہیں وہ۔ شروع سے ان کی ٹیملی امریکہ میں مقیم ہے۔“

”اور شادی کب تک ہوگی؟“

”او مئی مئی او ڈیڈی ڈیڈی“

”پتا نہیں۔“ وہ مایوسی سے سر ہلا کر بولی۔ ”مجھے تو لگتا ہے وہ تنگی کروا کر بھول ہی گئے ہیں۔ اچھا چھوڑو تو ہائیڈرو پلٹتے ہیں۔“ سیمل نے کہا تو وہ بھی اٹھ گئی۔

”برآمدے کے کول مستون سے ٹیک لگائے شیراز منہ پھلائے کھڑا تھا۔ اور اس کا پیر برآمدے میں اڑ کر آئے سوکھے پتوں کو مسلسل مسلسل رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ ہانیہ نے اس کے غصے سے چہرے کو دیکھا۔

”کچھ خاص نہیں، تھوڑی سی بے عزتی ہوئی ہے۔“ بی بی جان کے ہاتھوں باقی کا فریضہ ڈیڈی انجام دیں گے۔“ اس نے کندھے اچکا کر کہا۔ ہانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جبکہ سیمل ہنس دی۔

”یہ تو تمہارے معمولات میں شامل ہے ڈیر براور۔“

”تم دیکھنا میں بھی اس دفعہ مالٹوں میں خرید کر لوں گا۔“ اس نے دھمکی دی۔

”اور ڈیڈی سے جوتے کھاؤں گا۔“ سیمل نے جملہ مکمل کیا۔ شیراز نے تنگی سے اسے دیکھا۔

”تم میری دشمنی میں بھی پیچھے مت رہنا آئی۔“

”ارے نہیں تم تو میرے پیارے سے چھوٹے سے بھائی ہو۔“ سیمل نے اس کا بازو تھام کر اپنے ساتھ گھسیٹ لیا۔ ”میرے پاس اک زبردست آئیڈیا ہے۔ اب ہانیہ کے آنے کی خوشی میں اک پکٹک منامیں گے۔“

”ڈیش گریٹ۔“ وہ فوراً ہی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور وہ تینوں اواکل سرا کی خشک گھر خراباں زور شام میں سوکھے پتوں کو اپنے قدموں تلے مسکتے لیے درختوں کی قطاروں کے نیچے سے گزرتے ہوئے یہ آئیڈیا ڈسکس کرنے لگے اور ان کے ساتھ چلتی ہانیہ سوچ رہی تھی۔

”کتنے خوش قسمت ہیں یہ لوگ، محبت کی ڈور میں بندھے ہوئے ایک مکمل ٹیملی۔“

♥ ♥ ♥ ♥

او مئی مئی او ڈیڈی ڈیڈی

52



ابو محمی ڈیڑھ کی  
ہو جاؤ ریڑھی

جس سے میری شاوی ہوگی

آج میں نے وہ لڑکی بڑھوئی ہے

شیراز کی گنگنا نہیں مروت پر تھیں۔ ام کے سائے

میں جھولے پر اونڈ حارزاونہ کب سے کی گانا گارہا تھا۔

"یہ کھٹے بھر سے تھیں تو انہیں دے رہے ہو

مجھے۔" آئی شادی اون سلائیوں ہاتھ میں لیے بڑی

فرصت میں بائیس کی طرف نکل گئیں۔

"ہائیں۔" اس کے ہمنے کو بریک لگ گئی۔

"آپ کو نہیں پکار رہا تھا گانا گارہا ہوں۔"

"مجھے تو وال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔" سیمل نے

بانیہ کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔

"اقتب! آپ نے آج وال پکائی ہے۔" وہ جھنجھلا

کرا تھا۔

"تو وال تمہیں کاتی ہے کیا؟"

بی بی جان کو وال بست پسند تھی تب ہی ذرا گھور کر

کہا۔ وہ سب کی سب بڑی فرصت میں سانس بٹھنے اور

خاندان بھر کے معاملات سکس کرنے آئی تھیں۔

"اوہائی سویت لی بی جان! آپ یہاں۔۔۔ نہیں۔"

شیراز نے انہیں فوراً لندھوں سے تمام کر لکڑی کے

منقش جھولے پر بیٹھایا۔

"اب ذرا سوچ کر تھیں کہ میں کس مبارک دن

پیدا ہوا تھا۔"

"پھر وہ دن مبارک کس طرح ہوا؟" سیمل نے

سوچتے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہیں کیا معلوم کیسا یادگار دن تھا وہ اس دن تو

چھٹی ہو جانی چاہیے تھی۔" وہ خوش سے بولا۔

"بالکل لوگ سائے اسی طرح یاد رکھتے ہیں۔"

سیمل نے منہ بنا کر کہا۔

"سانچہ کیوں کتنی خوشی منائی تھی ہم نے

سارے خاندان میں۔"

"مالے تقسیم کیے تھے۔" سیمل نے ٹکڑا گایا۔

"مالے تمہاری دفعہ بانٹے گئے تھے میری دفعہ تو

خالص قلاقند تھا۔"

"خیر قلاقند تو نہیں حلوائی کو گھر بلوا کر لندھ بنوائے

تھے۔" بی بی جان نے بتایا۔

"وہ قلاقند موٹا شیدا حلوائی نا۔" سیمل نے شرر سے

لہجے میں پوچھا تو وہ تڑپ کر مڑا۔

"کھانا تھا تو کیا ہوا۔ لندھ تو کالے نہیں تھے۔"

"کس بے معنی بحث میں الجھ گئے تم لوگ؟" عالیہ

نے ٹوکا تو وہ صاحب سے بی بی جان کے پاس آ بیٹھا۔

"آبی خوا خواہ نوک دیتی ہیں آپ بتائیں بی بی جان

میں کب پیدا ہوا ہوں۔" وہ اپنے سابقہ سوال پر واپس

آیا۔

"دن تارخ تو مجھے یاد نہیں۔" سیمل نے سر دیوں کے

دن تھے۔ مبارک نامو سمجھا۔

"مجھے نہیں تھا۔" وہ خوش ہو کر بولا۔

"مالا نک اس موسم کا تم پر کوئی اثر ہی نہیں لگتا۔"

سیمل کی زبان پھر پھسل گئی۔

"بری بات ہے بیٹا اچھو نے بھائی کو یوں تنگ نہیں

کرنا۔" عالیہ نے بازو سے تمام کر سیمل کو اپنے پاس

کھینچ لیا۔ وہ لکھا اور پھر سے شیراز کی طرف

دیکھ ہوئی۔

"یعنی اب میں پورے تیس برس چار ماہ کا ہو گیا؟"

اس نے عالیہ آئی کے بتانے پر حساب لگایا۔

"لیکن تمہیں اتنی یہ حساب کیوں سوچ رہا ہے؟"

شادیہ آئی نے پوچھا۔ اُن کے ہاتھ تیزی سے سویٹر

بن رہے تھے وہ اون کا گولا ہاتھ میں چھلے کر بیٹھ گیا۔

"ہم! آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ کے بیٹے کے

سر سے کچھ بھول کھلی جائیں۔"

"نہیں میرا دل میں چاہتا۔" وہ بے نیازی سے

بولیں۔

"ہیں۔" اس کا منہ کھل گیا۔ پھر تاسف سے سر

ہلاتے ہوئے بولا "بالہ کسی ظالم میں آپ؟"

"مگر تمہیں یہ سرے کے پھول کیوں یاد آ رہے

ہیں؟" بی بی جان نے مشکوک نظروں سے اسے

دیکھا۔

"اور ابھی تمہو کا نا بھی گھر ہے تھے۔" بانیہ نے یاد

دلایا۔

"مجھے تو وال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔" بی بی کھٹک

تھیں۔

"پھر وہی وال۔" وہ سر تمام کر رہ گیا۔

"کالی ہے نا۔" سیمل نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔" اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ "ہم!"

آپ میری شادی کر دیں۔"

"شادیہ آئی بری طرح چو نکلیں "دماغ تو

ٹھیک ہے رامنش اور سیمل سے پہلے کس طرح

تو ان کے انتظار میں تھیں بوڑھا ہو جاؤں۔ ان

مخبرہ کے بیا جانے پر دیس۔" سیمل نے کب واپس

آئیں اور وہ بڑے بھیا۔ دیکھ لیتا آپ لوگ ایک دن

آکر فرما جائیں گے۔" میری شادی ہو چکی ہے فوج

سے۔" وہ نکل آتا کر بولا۔ "بلا وجہ فضول۔"

"بی بی جی رامنش صاحب کا فون ہے۔" ثریا

پر آئی تھی کھڑی پکار رہی تھی۔

"لوں شیطان کو یاد کرو۔" شیراز سب سے

آگے لڑا تھا۔ سب ہی چلے گئے تھی کہ بی بی جان بھی۔

عالیہ نے جاتے جاتے پلیٹ کر دیکھا۔ بانیہ وہیں

جھولے پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ عالیہ بیٹھ گئیں۔

نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"تم یہاں خوش تو ہونا ناں۔"

"آپ کو اس کا لہجہ سپاٹ سا لگا۔"

"سیمل اور شیراز کے ساتھ بہت دوستی ہو گئی ہے

تمہاری۔"

"جی۔" وہ یونہی جھولے کی کڑیوں پر نگاہ جما کر

بولی۔

"تمہارے پیپا کا فون آیا تو انہیں کہہ دینا کہ تم یہاں

بہت خوش ہو اور سب لوگ تمہارا بہت خیال رکھتے

ہیں۔"

بانیہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ وہ نظریں چرا

رہیں۔

تھیں۔

"یہ یقین دہانی کرانا ضروری ہے کیا؟"

"ہاں ضروری سمجھ لو۔"

"میرا نہیں خیال آپ کو پیپا کی مرضی کا اتنا زیادہ

خیال کرنا چاہیے۔" عالیہ کو اس کا لہجہ طنز پر لگا۔

"ہائیں۔۔۔" انہوں نے قدرے بے یقینی سے

اسے دیکھا۔ بانیہ نے ہوا میں اڑتا چا تھا۔ سیمل پر

مسلا اور پھونک مار کر اڑا دیا۔

"ہم گھر کب جائیں گے ماما؟" اس نے اچانک

پوچھا۔

"یہ بھی تو گھر ہے بانیہ!"

"یہ میرا گھر نہیں ہے۔"

"یہ تمہارا بھی گھر ہے۔" وہ زور دے کر بولیں۔

"ماما۔" بانیہ نے جھنجھلا کر انہیں دیکھا۔ "یہ

منظور ماموں کا گھر ہے۔ سیمل اور شیراز کا میرا یا آپ

کا نہیں بھلے وہ کتنے بھی اچھے ہوں مگر ماما میں یہاں

ایزی فیل نہیں کر رہی۔"

عالیہ کے اندر خزاں زور ہواؤں کی سائیں سائیں

کچھ اور بڑھ گئی۔ انہوں نے سر اٹھا کر بانیہ کو دیکھا تو

ان کی آنکھوں میں امید کا غڈی ناؤ کی طرح ڈول رہی

تھی۔

"اگر میں یہ کہوں بانیہ کہ میں اب اس گھر میں کبھی

واپس نہیں جاؤں گی تو۔"

"آپ پیپا کے ساتھ تعلق تو زور رہی ہیں؟" بانیہ نے

چونک کر انہیں دیکھا اک۔ سیمل سی مسکرا ہٹ ان

کے لبوں پر ابھر کر ڈوب گئی۔

"تعلق تھا ہی کبہ جو ٹوٹ جاتا۔"

"اور میں۔۔۔ میرے بارے میں کیا سوچا ہے آپ

دونوں نے؟"

"تم۔۔۔" انہوں نے سوچتی نگاہوں سے اسے

دیکھا۔

"یا آپ فیصلہ کرتے ہوئے بھول گئی تھیں مجھے

۔۔۔" وہ تلخ لہجے میں بولی۔

عالیہ تڑپ اٹھیں۔ "مجھ سے اس لہجے میں بات

کرنا۔"



مت کرو ہانیہ۔

غیر محسوس طور پر ان کا لہجہ سخت ہو گیا تھا۔  
 "اما! میری راجکم یہ ہے کہ میں جتنی محبت آپ سے کرتی ہوں اتنی ہی پیلا ہے بھی کرتی ہوں۔"  
 "نہیں۔" عالیہ نے نفی میں سر ہلایا اور اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ "تم ساری راجکم یہ ہے کہ تم کبھی مجھے اندرا سینڈ نہیں کر سکیں۔ تم نے ہمیشہ احمد کی بیٹی بن کر سوچا ہے۔" ان کے انداز میں وہی اجنبیت دور تکی تھی۔

"ایسا نہیں ہے اما! آپ کو اگر یاد ہو تو ہم ہمیشہ میں بیٹی سے زیادہ ایک دوسرے کے فرزند زرت تھے۔ مگر اب مجھے لگتا ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے آپ نے پیلا کے ہر غلط فعل کی سزا مجھے دی ہے۔"  
 "ایسا نہیں ہے ہانیہ۔" انہوں نے بے اختیار دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما تھا۔ ہانیہ نے دھیرے سے ان کے ہاتھ الگ کیے۔

"ایسا ہے اما! اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ جب سے یہاں آئی ہیں آج پہلی بار مجھ سے بات کر رہی ہیں۔"  
 "ہانیہ! میں ایسا نہیں کرنا چاہتی ہوں مگر۔"  
 "مگر یہ کہ آپ بھی ہر کسی کی طرح پیلا کے ہر فعل کے لیے مجھ کو ذمہ دار سمجھتی ہیں۔"

"ہانیہ۔" وہ ششدر سی رہ گئیں۔ شاید انہیں احساس بھی نہ تھا کہ وہ بلا شعوری طور پر اپنے رویے سے ہانیہ کو کس حد تک ہرٹ کر چکی تھیں۔  
 "بی اما! اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ بی بی جان کو میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔" وہ انہیں متحیر اور شرمندہ سا چہرہ دکھانے لگی تھی۔

♥ ♥ ♥  
 "یہ آپ کی گھڑی میں سیل ختم ہو گئے ہیں کیا؟"  
 شیراز کے پوچھنے پر وہ چونک گئی۔ بے اختیار گھائی ہو کر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔  
 "نہیں چل رہی ہے۔"  
 شیراز نے اس کے ہاتھ میں سیب کی شکل والی

سرخ ترے میں دو بڑے بڑے گریپ فروٹ تھے۔  
 "دوسرے ہاتھ میں چھری تھی۔"  
 "میں اس گھڑی کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے چھری ہانیہ کے چہرے کے گرد گھمائی۔  
 "کیوں ٹھیک تو ہے۔"  
 "اکثر ایک ہی وقت بتاتی ہے 'ہائے' داوے کر سوچ میں گم رہتی ہیں آپ؟"  
 "کچھ نہیں سمجھتی میں تو سیمل کا انتظار کر رہی تھی۔"  
 "کیس؟" وہ نہیں یاد آرہا ہے۔" اس نے راز

داری سے پوچھا۔  
 "وہ کون؟" ہانیہ نے چونک کر پوچھا۔  
 "آئی میں ان کے بارے میں تو کیوں کہے یہ؟" وہ ہنسی چاہتی تھی۔  
 "نہیں میرے کوئی وہ نہیں ہیں۔" ہانیہ ہنس دی۔  
 "ملائیں اچھے۔" شیراز نے جوش میں ہاتھ ملایا پھر اس کی طرف جھک کر بولا "میری بھی نہیں ہے۔"  
 "مگر سیمل تو میری تھی ال میں کچھ کالا ہے۔"  
 "آئی میں سیمل۔" وہ گریپ فروٹ کو گلے میں لٹکے لگے۔ "اس گھر میں اگر کوئی لڑکا گانا گاتا ہے تو سنا جائے تو سمجھا جاتا ہے اسے محبت ہو گئی ہے۔"  
 "اور اگر یہ کام لڑکی کر رہی ہو تو؟" ہانیہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"تو پھر سونے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔"  
 فٹ سے شاوی گڑی جاتی ہے۔  
 "اگر یہ کام لڑکوں کے ساتھ کیا جائے تو اب تک ایک ایک کی دس دس شاویاں ہو چکی ہوتیں۔" سیمل اہل اور کلر جس دنیا اٹھائے نمودار ہوئی۔  
 "اے کاش۔" شیراز نے سر اٹھا کر کہا اور چھلے ہوئے چکوزے پر رنگ بھرنے لگا۔  
 "کھامس کی؟" اس نے ہانیہ کو آفر کی۔  
 "مجھے نہیں پسند۔"

"آپ کو چکوزے نہیں پسند؟ کیسی لڑکی ہیں آپ؟"  
 اگر اس دنیا میں نہ ہوتے تو پیدا ہونے سے انکار

کر دیتا۔ میری صحت اچھی ہے اور خوش مزاجی کا راز ہر روز ایک نوکرا چکوزے کا۔" اس نے پائیت ہاتھ میں پکڑ کر گھمائی۔  
 "ایک نوکرا خدا کا خوف کرو۔" ہانیہ ہنسی۔  
 "یہ سچ کچھ کھا جاتا ہے۔ اور تم ذرا جلدی انھو لے۔" وہ دایاں آتا ہے۔  
 "مما کڑھالی گوشت اور کالمی چٹوں کا پلاؤ بتا رہی ہیں۔"  
 "ہم بھی سدھا رہے ہیں کچن میں۔ مگر تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟"  
 "قریبی باغ تک، مجھے اپنی پیسٹنگ مکمل کرنا ہے۔"

اور ہانیہ کی سہیلی ہو جائے گی۔" سیمل نے کہا۔  
 "چلو میں بھی چلتا ہوں۔" وہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔  
 "تکے ہی وہ لوگ باغ میں طرف مڑ گئے۔" شیراز نے سیمل کے ہاتھ سے ایزل سے ہاتھ باغ کے کنارے کنارے سمجھوڑ کے درخت لگے تھے۔  
 "ہانیہ کو مالٹوں کی مختلف قسموں سے متعارف کروانے لگا۔ ہر بودا سنگتروں سے بھر اہوا تھا۔ جھولتی ہوئی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔  
 "بیس دس پندرہ دونوں میں پھل اترنا شروع ہو جائے گا۔"

شیراز نے اک سرخی مائل کینو کو ہاتھ میں لے کر جائزہ لیا۔  
 "یہ یک تو کیا ہے؟" ہانیہ نے سب سے نیچے جھکی شاخ کو تھاما جس پر آٹھ پلوں کیونٹا لٹک رہے تھے۔  
 "ہاں ملاس میں ابھی شھاس کی کمی ہے۔ رس بھی پوری طرح نہیں بھرا۔"  
 شیراز نے ایک کینو توڑ کر چھیلا اور ایک پھانک اس کی طرف برھائی۔

"طیس چک کر دیکھیں۔"  
 ہانیہ نے کھائی ابھی کٹھنی تھی۔  
 "یہ تو ابھی کھنی ہے۔" اس نے منہ بنایا۔  
 "ہاں" اسی لیے تو دس پندرہ دن کا وقت دیا ہے۔  
 ہمارے باغ سے زیادہ ٹٹھا پھل اور کہیں نہیں ملے

کا۔" شیراز نے پلٹ کر دیکھا۔ سیمل اپنا ایزل میٹ کر رہی تھی۔  
 "کیکٹری دیکھنے چلیں گی۔" اس نے آفر کی۔  
 "کتنی دور ہے؟"  
 "ہانیہ! مت جانا، تمیں پینتیس منٹ کی واک ہے۔ پھر واپس بھی آنا ہو گا۔" سیمل نے گھر زنگ لٹے ہوئے کہا۔  
 "نہیں بھی اتنا چلنے کی ہمت نہیں ہے۔" ہانیہ نے انکار کیا۔

"چلیں جانے دیں کسی دن جیب پر لے چلوں گا۔" شیراز نے سر جھٹکا پھر سیمل کو کام میں مصروف دیکھ کر پوچھنے لگا۔  
 "ہم ذرا گھوم پھر آئیں۔"  
 "ہاں" ہانیہ کو باغ کی سیر کروانا مگر پلینز زیادہ دور نہیں جانا۔

"جنا ہے مجھے آپ کو ڈر لگتا ہے۔" سیمل اس پاس ہی ہیں۔ دو چار چٹیں بارو بجے گا ہم آجائیں گے۔"  
 "سیمل نے اسے کھور کر دیکھا۔ بولی کچھ نہیں وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔  
 "آپ نے وہ کہانی سنی ہے جس میں اک جاو کر شہزادی کو ایک سنگترے میں بند کر دیتا ہے اور وہ سنگترہ اک غریب لکڑہارے کا خوبصورت بیٹا خرید لیتا ہے۔ میں جب بھی کوئی سنگترہ چھینے لگتا ہوں تو ایک بار تو مجھے لگا۔"

شیراز کی ان ہی باتوں میں وہ بہت دور نکل آئے تھے۔ آگے چراگاہ اور کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تب ہی ہانیہ کی سماعتوں نے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز سنی۔ اور دوسرے پل اس کی نگاہوں کی زد میں خوبصورت سفید گھوڑا آگیا۔

"یہ کس کا گھوڑا ہے؟" وہ بے اختیار رک گئی۔ اسے خود بھی رائیڈنگ کا بہت شوق تھا۔  
 "اپنا ہی ہے۔"  
 "مگر ما بٹاری تھیں کہ اب یہاں گھوڑے نہیں ہوتے۔"



"ہوتے ہیں۔" شیراز نے کہا پھر خود ہی اپنے جملے سے معنی اخذ کر کے جلدی سے بولا۔

"میرا مطلب ہے ایک گھوڑا ہو آج۔"

"یہ تو میں نے دیکھ لیا۔"

"تو میری طرف کیوں دیکھ رہی ہیں گھوڑا اور ہے۔"

"وہ سنپٹا کر بولا تھا ہانیہ نہیں دیکھ۔"

"میں تو اسی کی بات کر رہی ہوں۔"

"تھینک گاڈ میں سمجھا، خیر۔" کان کھاتے ہوئے اس نے جملہ اوھورا چھوڑا۔ "یہ رامش کالا ڈالا گھوڑا ہے۔"

"بہت خوبصورت ہے۔" ہانیہ کی نگاہوں نے آخری سرے تک مفید گھوڑے کا دیکھا تھا۔

بہت دیر تک اوھرا اوھرا گھومنے کے بعد وہ لوگ واپس ہوئے۔ سیمل اپنے کام میں مگن تھی۔ باغ کا ایک حصہ اور بہت دور نظر آتے کچے کھانے ان کے عقب میں شیشم کے ٹنڈ منڈ درخت سموت نظر نہیں آتا تھا۔ مگر اس کی زبرد کرفوں کا غبار سارے منظر پر چھایا تھا۔

"بہت خوبصورت ہے۔" ہانیہ نے بے اختیار تعریف کی تو وہ ہو گئی۔

"آگے تم لوگ واپس کیسے لگے ہمارے باغات۔"

"یہ تو آگے ڈیرم لینڈ ہے سیمل! آگ تھیل لائف، میرا بس چلے تو میں ساری عمر یہاں گزار دوں۔"

"یہ اس کی بے ساختہ فیصلہ تھی جن کا اختیار وہ بے اختیار کر گئی۔ سیمل اور شیرازی سوچتی ہوئیں نگاہیں اک دوسرے سے ٹکرائیں اور وہ دونوں ہی مسکرائیں۔

"اب چلیں، آئی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ خود ہی چونک کر بولی۔

"یوں کہیں نا، کڑھائی گوشت اور پلاؤ یاد آ رہا ہے۔"

"شیراز نے جھڑپا۔

"ہاں کچھ یہ بھی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے اعتراف کیا۔ سیمل نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ لوگ واپس لوٹے تو شاید آئی کھانے کی بات

سمٹ کر رہی تھیں۔ وہ بہت خوشگوار میڈا کے ساتھ ان سب کے درمیان بیٹھی تھی۔

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

"ہانیہ بیٹا! اندر آ جاؤ سردی بڑھ رہی ہے۔"

شایدہ آئی نے پکارا تھا۔ مگر وہ سنی ان سنی کر کے بیٹھی رہی۔ سردی اتنی بھی محسوس کر رہی تھی۔ مگر اٹھنے کا من نہیں تھا۔ پونہ جھولے پر نیم دراز اپنی

شال کے دھاکے پھینچ رہی۔

"میرا خیال ہے آپ غریب کوئی اہم چیز ایجاو کرنے والی ہیں۔"

شیراز نے نڈر سے جھولے کو حرکت دی تھی۔

"انفہ۔" اس نے سیمل کو گھورا۔ تو وہ ڈھٹالی سے ہنسنے لگا۔

"میرا خیال ہے آپ؟"

"کچھ نہیں، کچھ بھی یوں ہی خاموش اور خاموشی سے چلتا ہے۔"

"آگے تم لوگ واپس کیسے لگے ہمارے باغات۔"

"یہ تو آگے ڈیرم لینڈ ہے سیمل! آگ تھیل لائف، میرا بس چلے تو میں ساری عمر یہاں گزار دوں۔"

"یہ اس کی بے ساختہ فیصلہ تھی جن کا اختیار وہ بے اختیار کر گئی۔ سیمل اور شیرازی سوچتی ہوئیں نگاہیں اک دوسرے سے ٹکرائیں اور وہ دونوں ہی مسکرائیں۔

"اب چلیں، آئی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ خود ہی چونک کر بولی۔

"یوں کہیں نا، کڑھائی گوشت اور پلاؤ یاد آ رہا ہے۔"

"شیراز نے جھڑپا۔

"ہاں کچھ یہ بھی ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے اعتراف کیا۔ سیمل نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ وہ لوگ واپس لوٹے تو شاید آئی کھانے کی بات

سمٹ کر رہی تھیں۔ وہ بہت خوشگوار میڈا کے ساتھ ان سب کے درمیان بیٹھی تھی۔

میں آئی تھی مگر وہاں سب ہی موجود تھے۔

"ماما! کافون آیا تھا۔" اس نے دروازے ہی میں کھڑے ہو کر پوچھا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے

ماحول کی کشیدگی بھی محسوس کی تھی۔ ماما کی آنکھیں سرخ اور سوختی ہوئی تھیں شاید آئی متفکر اور ماموں

اور بابلی بہت غصے میں تھے بلکہ بابلی جان نے اسے جن دکانوں سے گھبراہٹا ان میں سوائے نفرت کے اور کچھ

نہ تھا۔

"ہاں۔" ماما کی تھکی تھکی سی آواز ابھری۔

"کیا کہہ رہے تھے؟"

بابلی جان نے بہت زور سے پہلو بدلا تھا۔ ماموں

لب بچ کر رہے تھے۔ بابلی جان جگہ چوری ہو گئی۔

"کچھ نہیں تمہارا پوچھ رہے تھے۔" انہوں نے بہت سی بات کیا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ ماما نے ایسا

کیا کہہ دیا کہ آپ رونے لگیں۔

مگر سب لوگ اس کی آمد پر گویا ڈسٹرب ہو رہے تھے۔ خاموشی سے باہر نکل آئی۔

تو وہ جانتی تھی کہ یہ سب لوگ اس کے پاپا کو زیادہ

پسند نہیں کرتے۔ اور اس کی بھوری سی آنکھیں پاپا کی تمام تر خاموشی اور دوسری شادی کے باوجود وہ ان سے

محبت کرتی تھی۔ اور وہ چاہتے کے لیے وہ شعوری طور پر دروازے پر ہی رک گئی تھی۔

"ہیں بہت ہو چکا عالیہ! اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔" ماموں کی ضبط کی جھڑپاں کو توڑتی آواز

ابھری تھی۔

"میں کیا کروں بھیا! میرے اختیار میں ہے کیا؟"

ماما روئی تھیں۔

"کیوں نہیں ہے تمہارے اختیار میں کچھ۔"

"آپ جانتے ہیں میری کمزوری۔"

"یہ زبردستی کی کمزوری ہے۔ جسے تم نے گلے

لگا رکھا ہے۔" بابلی نے تڑخ کر کہا تھا۔

"وہ کچھ عالیہ! جو کچھ وہ اب کہہ رہا ہے نا، وہ مانتا

نا ممکن ہے۔" منظور ماموں نے رسائیت سے سمجھانا

چاہا۔

"جب تک ہانیہ میرے پاس ہے مجھے اس کی ہر بات ماننا ہوگی۔" شاید وہ وہی تھیں ہانیہ کے لب

چھینچھنے لگے۔

"تو واپس کرنا! اب وہ تھکی پٹی تو نہیں رہی ہے گلے سے لگائے پھر رہی ہو۔ کل کبھی۔"

"ہانیہ! یہاں کیا کر رہی ہو۔؟" سیمل کی آواز پر وہ

پٹی سیمل اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گئی۔

"کچھ نہیں۔" اس سے قبل کہ وہ کچھ پوچھتی

ہانیہ چلی گئی تھی۔ سیمل کندھے اچکا کر رہ گئی۔

رات کو اس نے ماما سے پوچھا کہ پاپا نے کیا کہا تھا

مگر وہ کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے سکیں۔ وہ

ان سے مزید پوچھا ہو گئی۔ کیا اب وہ اس کاٹل نہیں رہی تھی کہ ماما اس سے اپنی کوئی پراہم شیز کر تھیں۔ یا وہ

سمجھتی تھیں کہ وہ ماما کے بجائے ہیش پاپا کا ساتھ دیتی ہے۔ حالانکہ زیادتی پاپا کی طرف سے ہوئی تو وہ ہیش ماما

کا ساتھ دیتی تھی۔ اور چند دن بعد جب ماما نے کہا کہ وہ

لوگ یہاں سے جارت ہیں تو پھر اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔

"پاپا کے پاس؟"

"نہیں۔" وہ خاموشی سے پکینگ کرتی رہیں۔

"تو۔" اس نے ابھن آمیز انداز میں انہیں دیکھا۔

"میں مائل ناؤن میں ایک گھر لیا ہے میں نے اپنے اور تمہارے لیے۔" عالیہ قصداً مسکرائی

تھیں۔ ہانیہ کچھ لمحے انہیں یوں دیکھتی رہی۔ جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ اس موقع پر اسے کیا کرنا

چاہیے۔

"میرا خیال ہے تمہیں بھی پکینگ کرنی چاہیے۔"

کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار بننے کے بعد انہوں نے

ہانیہ کی خاموشی سے خائف ہو کر کہا تھا، ہانیہ اک

طویل سانس لے کر بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں ماما!" اس کی ابھن

اس کی آواز سے مترشح تھی۔

"تمہیں سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں۔" عالیہ

سپاٹ لہجے میں بولی تھیں۔



روبیہ کیسا ہو گیا تھا۔ کبھی وہ بالکل سلسے کی طرح مہولان ہو جاتی تھی۔ دیکھی محبت دیکھی وارفتگی، بالکل سکون کی دوستی اور کبھی کبھی ہانسیہ کو لٹکا کر اس کا وجود بوجھ لگتا ہے۔ وہ اس سے بیزار ہو جاتی تھی۔ وہ کب آتی ہے اور کب جاتی ہے۔ وہ کیا کھاتی ہے، کہاں رہتی ہے۔ وہ بھولتی جاتی تھی کہ ہانسیہ احمد کا کوئی وجود بھی ہے۔

”ہانسیہ احمد! کبھی تھوڑا وقت مجھے بھی دے دیا کرو۔“ اسے اوپر جانا دیکھ کر انہیں غصہ ہی تو آگیا۔ تب ہی اسے پورے نام سے مخاطب کیا تھا۔

ہانسیہ نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔ اسے ملنا کا وقت دینے کا انداز بہت برا لگتا تھا۔ بظاہر ساتھ بیٹھ کر کئی ویں نظر میں جملے وہ اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو جاتی تھیں جب سے وہ اس گھر میں شغل ہوئی تھیں ملانہ کے رویوں کا یہ تضاد کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر گیا تھا۔

”اما کہاں ہیں عیدل؟“ عیدل کو پلانے مستقل یہاں بھجوا دیا تھا۔

”وہ تو اپنے بھیا کے گھر گئی ہیں۔“

”اتنی صبح؟“ اس نے کھڑی پر نگاہ ڈالی۔

”تو بچے ہیں۔“ عیدل نے گویا اطلاع دی تھی۔

ہانسیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

”چائے ملے گی آج۔“

”صرف چائے ناشتہ بالکل تیار ہے۔“

”لے آؤ۔“ وہ کسلندی سے ڈانٹتے چہرے سے بچھڑ گئی۔ ذہن میں یہی سوچ بھٹک رہی تھی کہ ملانہ اتنی صبح ماہوں کے گھر کیا لینے گئی ہیں۔

تب ہی فون کی بیل بجی اٹھی۔ ہانسیہ نے اٹھایا تو شیراز تھا۔ چھوٹی سی پوچھنے لگا۔

”کیا شہر میں کرفیو نافذ ہو گیا۔“

”نہیں تو کیوں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”کو کیا آپ گوشہ نشین ہو گئی ہیں؟“

”ایسا بھی نہیں۔“

”حد ہوئی ہے بے مروتی کی بھی۔ کبھی پلٹ کر بھی

دیکھ لیتے ہیں محترم۔ ہر جگہ پتھر، دوجانے والی بات سادق نہیں آتی۔“ وہ جھپٹا کر بولا۔

”میں آؤں گی۔“

”نہیں! آپ بالکل مت آئیں گا۔ ہم آپ کو بالکل بھی یاد نہیں کرتے۔“ شیراز کے روٹھے روٹھے انداز پر اسے پیار آگیا۔

”چھوٹا تھا ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں شام کو چکر لگاؤں گی۔“

”اس نے فرمائش کی۔“

”اس نے بھی کیا خاص بات ہے؟“

”ہاں نا۔“ وہ پر جوش ہوا۔ ”رات کو اچانک رامش بھائی آگئے۔ میں نے کچھ جاسوس اچھا ہے کوئی لڑکی ڈھونڈ کر انہیں باندھ داندھ کر شکنجی کر دیتے ہیں آج۔“

”کونسا شوق ہے تمہیں متلئی کروانے کا۔“

”مجھے کنوارے مرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ تو پھر

”میں تو اب یہاں ہی رہتی ہوں۔“

”ہمارے ہاں کسی نے بھی روزہ نہیں رکھا۔ یا قاعدہ بچتا ہے اور سب کے سب لگے ہوئے ہیں۔“

”بھری نہیں۔“

”جیسے آپ کی مرضی۔“

”نورمان گیا۔ مگر اس کا لہجہ مایوس سا تھا۔ ہانسیہ کو انہوں نے یاد دلایا تھا۔

”خدا حافظ کہہ کر جلد ہی فون بند کر دیا تھا۔“

”تو یہ وجہ تھی آپ کے اتنی صبح جانے کی۔ مجھے بتانا گوارا نہیں کیا۔ گویا مجھ سے زیادہ آپ کو ہر کوئی اہم لگتا ہے۔“

”ہاں نہ کہے گا۔ وہ نہیں رہا تھا سو وہ پوچھی اٹھ گئی۔

”ملانہ بہر میں اپنی انہیں اور بہت پر جوش تھیں۔ اس سے رامش کے متعلق ہانسیہ کرنا چاہتی تھیں مگر ہانسیہ نے موقع ہی نہیں دیا تھا اور گاڑی لے کر نکل گئی۔

ان کی بات پر ایک دم سے خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ جیسے خود ہی چور سی بن گئیں۔ یہ بات کہہ کر بی بی جان کے انداز میں داخلہ خیزاری ہو گئی۔

”ہم کیا کہتی ہو شاہدہ؟“ منظور صاحب نے بہت دیر بعد سر اٹھا کر ان سے پوچھا تھا۔ انہوں نے ایک نظر بی بی جان اور پھر عالیہ پر ڈالی۔

”ہانسیہ بہت اچھی لڑکی ہے اور مجھے پسند بھی بہت ہے۔“

ان کی بات پر عالیہ کا چہرہ جھک اٹھا تھا۔

”لیکن احمد کی بیٹی۔“ بی بی جان نے تذبذب سے

”وہ میری بھی بیٹی ہے۔“ عالیہ ٹپ اٹھیں۔

”بی بی جان!“

وہ بی بی جان کی طرف پلٹیں۔ ”میں نے زندگی میں کبھی کوئی خوشی نہیں دیکھی۔ احمد نے کبھی کوئی خوشی نہیں دی مجھے۔ اگر ہانسیہ نہ ہوتی تو شاید میں اس دھوکے باز انسان کے پاس ایک بل بھی نہ رکتی۔ چھوٹا آدمی وہ گھر میرے قدموں کو اکر لے کر باندھ دیتا تھا تو وہ میری ہانسیہ کا وجود تھا۔ اب وہ ہانسیہ کو مجھ سے جھین لیتا چاہتا ہے۔ وہ چھین لے گا بی بی جان! خدا کے لیے میری مدد کریں۔ میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔“

بی بی جان بیٹی کو ساتھ لگا کر سسک اٹھیں۔ ساری عمر انگوٹھی بیٹی کے ذرا ذرا سے دکھ رہی تھی۔ آج وہی بیٹی ان سے مدد مانگ رہی تھی اور وہ بے بس ہیں۔

”یہ تو شاہدہ اور منظور کا فیصلہ ہو گا۔“

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے پھر شاہدہ نے ہی بہت کی تھی۔

”عالیہ! ہانسیہ مجھے سسمل کی طرح عزیز ہے۔ وہ تو اتنی سلجھی ہوئی لڑکی ہے کہ کوئی بھی اسے سوہنا کر فخر محسوس کرے گا۔ مگر رامش۔“ وہ ایک پل کو خاموش ہو گئیں۔

”رامش کیا۔ کیا وہ کہیں۔“ عالیہ نے تیزی سے پوچھا چاہا تو شاہدہ مسکرائیں۔

”نہیں۔“ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں جانتی ہوں! ایسا کچھ نہیں ہے مگر اس کی رائے لیے بغیر تو میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی، مگر تم فکر مت کرو وہ انکار نہیں کرے گا۔“

”مگر عالیہ! تم ہانسیہ سے ضرور پوچھ لیتا۔ وہ کسی اور ماحول میں پلی بڑھی ہے۔ یہاں ایڈجسٹ بھی کر لے گی۔“ منظور صاحب نے کہا۔

”ہرے۔“ کھڑکی سے کان لگا کر کھڑے شیراز نے نعرہ لگایا۔

”خاموش۔“ سسمل نے تیزی سے اسے گھورا۔

”ہانسیہ! بھابھی بن کر آئیں گی تو کتنا مزہ آئے گا آپ!؟“ وہ بہت پر جوش تھا۔

”ہاں۔“ ہانسیہ مجھے بھی بہت اچھی لگی ہے۔ خوبصورت بھی بہت ہے۔ رامش بھائی کے ساتھ سوٹ کرے گی۔“ سسمل بھی خوش تھی۔



”مگر“ وہ نجانے کس سوچ میں الجھ گیا تھا۔

”مگر کیا؟“ سیمل نے پوچھا۔

”ہانیہ آپلی مان جائیں گی؟“

”ہمارے بھائی میں کس چیز کی کمی ہے؟“ سیمل

نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”تو ہانیہ آپلی کو فون کروں۔“

”حق ہو۔“ سیمل ہنس دی۔ ”کیا کو گے؟“

”یہی کہ ہمارے بھائی کو اپنی فرزندگی میں قبول

کر لیں۔“ وہ روانی سے کہہ گیا۔

”فرزندگی میں۔ او گاڈ۔“ سیمل ہنستی چلی گئی۔

”مہر میرا مطلب ہے کہ۔“ وہ جھل سا ہو کر کان

کھجائے لگا تھا۔

”رہنے دو مطلب اور یہ سوچ کہ وہ بھائی اور

ہانیہ کی ملاقات کیسے کروائی جائے۔“

”دیش بوا۔“ وہ دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے

تھے۔

UrduPhoto.com

”کتنی

”بچھنے والوں کے لیے۔“

”خسک چوں کو قہر میں تلے روئتی ہانیہ نے سراٹھا

کر قدرے ناگواری سے کہہ دیا۔

”ہیلو۔“ ڈارک براؤن آنکھیں مسکرائیں۔

”آپ کا مطلب ہے کہ جن لوگوں کو زندگی بہت

بے رنگ اور خشک نظر آتی ہے وہ خود اسے ایسا سمجھتے

ہیں۔“ اسکا روف کو ہنکا دیتے ہوئے اس نے جرح

کی۔

”کم از کم آپ کے بارے میں میں یہی سمجھتا

ہوں۔“ کونار کی سیاہ سڑک خشک چوں سے بھری

تھی۔ سرد ہوا میں گرتے چوں کی آہٹیں شامل تھیں۔

وہ رک گئی۔

”آپ تو مجھے جانتے بھی نہیں پھر میرے بارے

میں اتنے دعوے سے کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”کون کہتا ہے میں آپ کو نہیں جانتا؟“

ہانیہ نے ایک پل کو سوچا پھر سر جھٹک کر بولی۔

”میں آپ کو نہیں جانتی۔“

”یہ کہہ سکتے ہیں۔“ وہ دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں

میں گھساتے ہوئے بولا۔ ہانیہ نے ایک نظر اسے

دیکھا۔ پھر سڑک کے کنارے نظریں جماتے ہوئے

پوچھا۔

”آپ مجھے کیسے جانتے ہیں؟“

”اس سوال کا جواب دینا ضروری ہے کیا؟“

ہانیہ کو وہ شخص عجیب سا لگا اور وہ کہے بنا بھی نہ

سکی۔

”آپ بہت عجیب انسان ہیں۔“

”کچھ نہ کچھ عجیب تو ہر کوئی ہوتا ہے۔ ویسے میں

صرف لگتا ہوں۔“

اس کا لہجہ و انداز متبسم تھا۔ اور وہ یونہی اس کے

ہم قدم اس کی ہر بات کو گویا ٹال رہا تھا۔

”آپ یہیں اس پاس رہتے ہیں۔“ ہانیہ نے

خوبصورت ہنکوں کی طویل قطار کو دیکھا۔

”جی ہاں! آس پاس ہی رہتا ہوں۔“ اس نوجوان کا

لہجہ بھی ختم تھا۔

ہانیہ نے اس کی طرف سے دو تھپتھپت

باندھتے ہوئے اس نے اک سرسری نگاہ ساتھ

کھڑے شخص پر ڈالی۔

”آئی تھنک یو! میں اپنے رستے پر چلنا

چاہتی ہوں۔“

”آپ جانتی ہیں میرا رستہ کون سا ہے۔“

وہ ایک قدم بڑھ کر عین اس کے مقابل کھڑا ہوا کہ

ہانیہ احمد کے لیے اپنے رستے کا تعین کرنا مشکل ہو گیا۔

پھر وہ بڑے اعتماد سے بولی تھی۔

”میں اپنا رستہ جانتی ہوں۔“

”اوکے۔ پھر ملیں گے۔“ اس نے دو قدم پیچھے

ہٹ کر راستہ دیا۔

”یہ ضروری نہیں۔“ وہ رکھائی سے کہہ کر واپس

پلٹی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

”یہ ضروری ہے ہانیہ احمد۔“ وہ زریب برادر دایا

تھا، ہانیہ اس سرگوشی کو یکسر نظر انداز کر گئی تھی۔ اسے



گھر سے نکلے کافی دیر ہو گئی تھی۔ ساما کی خفگی کی بظاہر اسے پروا نہ بھی ہوئی۔ پھر بھی وہ ان کی ناراضی سے خائف رہتی تھی۔ تب ہی گھراوت آئی۔ ساما لان میں خاموش خاموش سی بیٹھی تھیں۔ اس کے جلد اوت آنے پر انہوں نے کوئی تبصرو نہیں کیا تھا۔ وہ خود ہی لان چیمبر تھیں کر بیٹھ گئی۔

”عبدال! ایک کپ چائے میرے لیے بھی۔“  
عبدال کو پکارتے ہوئے اس نے ساما کے سامنے رکھے ٹھنڈی چائے کے کپ کو دیکھا۔ ساما نے ایک ٹھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔ بجائے ان کی سوچ کی تھیں کہیں جا کر ابھی ہوئی تھیں۔

”ماما! ہانیہ نے دھڑ سے پکارا۔“  
”ہوں۔“ انہوں نے چونک کر ہانیہ کو یوں دیکھا۔  
گویا اب اس کی موجودگی کا احساس ہوا ہو۔  
”آئیسی تم؟“ انہوں نے آف طویل سانس لے کر چائے کا کپ اٹھایا۔

”ٹھنڈی ہو گئی ہے ماما۔“  
”ہاں۔“ انہوں نے آکٹا ہٹ آمیز انداز میں کپ میز پر رکھ دیا۔  
”عبدال! لارہا ہے۔“  
”ہوں۔“

”کیا سوچ رہی ہیں آپ؟“  
”کچھ نہیں۔“ ان کا انداز جارحانہ تھا کہ وہ اس وقت اس سے بات نہیں کرنا چاہتیں۔ ہانیہ کے اعصاب کھینچنے والے ایک جھگڑے سے اٹھ گئی۔  
”عبدال سے کہیے گا چائے میرے کمرے میں دے جائے۔“

”آج احمد کافون آیا تھا۔“  
ماما کی آواز پر وہ رک گئی۔ اس نے پلٹ کر تعجب سے ماما کو دیکھا۔  
”پاپا کا؟“

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔  
”کیا کہہ رہے تھے؟“ اس کے لیے میں دیا دیا سا جوش تھا جسے محسوس کر کے عالیہ ایک پل کو خاموش

ہو گئیں۔  
”میں اپنے پاس بیٹھ رہی ہوں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اب تم کچھ عرصے ان کے پاس رہو۔“

”چھا!“ نجانے کیوں وہ ہنسی چل گئی۔ عالیہ نے ناگواری سے اس کی ہنسی کو سنا تھا مگر یوں کچھ نہیں۔ کچھ دیر کے بعد اس نے خود ہی آنکھوں میں دھڑکنے والے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔

”اوہ ماما! اب آپ چھوٹے بچوں کی طرح مجھے تقسیم کریں گے۔ کبھی پاپا کے پاس تو کبھی ماما کے پاس۔ کیا زندگی ہوتی ہے یہ ہم جیسے لوگوں کی بھی۔ تو نے چھوٹے بچے ہوئے لوگ۔“

”ہانیہ۔“ عالیہ نے اس کے لیے میں اترتے کرب کو محسوس کر کے دیکھا۔  
”کچھ نہیں ماما! کبھی یونہی کچھ عجیب سا فیل ہونے لگتا ہے۔ اپنا آپ مست عجیب سا لگنے لگتا ہے۔“  
”اس نے سر جھٹکا۔“ اور کیا کہہ رہے تھے

”ماما؟“  
”اور کچھ نہیں کیا اگر تم جانا چاہو تو عبدال چھوڑ آؤ۔“ ماما نے آہستہ سے کہا۔  
”آپ مجھے بھیجنا چاہتی ہیں؟“ ہانیہ نے پوچھا۔

”جہاں نے چڑا کر اسے دیکھا۔“  
”احمد! میں نے کبھی تمہیں کسی بات کے لیے مجبور نہیں کیا۔ تمہاری مرضی کو ترجیح دی۔ خواہ اس میں میری مرضی شامل ہو یا نہ ہو۔ مگر تمہیں بھی احمد کی طرح میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چلانے کی عادت سیڑی ہو گئی ہے۔“

”میں تو اب ماما کہ آپ نے کبھی مجھ پر زبردستی نہیں کی۔ کبھی ملنے والے کافی استعمال نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے مجھے خود سے دور کر دیا ہے جیسے۔ جیسے میں کبھی آپ کے وجود کا درد نہیں گئی۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ٹھوکر لگی۔

”میں نہیں اپنے ساتھ لائی ہوں ہانیہ۔“ عالیہ کی آواز بہت تھکی ہوئی تھی۔  
”آپ مجھے ساتھ نہیں لائیں۔ میں آگئی آپ کے

ساتھ۔“ آپ تو شاید مجھے ساتھ لانا ہی نہ چاہتی تھیں۔“ وہ گردن موڑ کر گرتے پنوں کو دیکھنے لگی۔ زرد فضا کی آنکھ میں کھٹکھٹ سی اداسی اتر آئی تھی۔

”میں مجھ سے اتنی بدگمان کیوں ہو ہانیہ! ماں ہوں میں تمہاری۔“ وہ تڑپ کر بولیں۔

”آپ کے رویوں نے کیا ہے۔ مجھے ساتھ لاکر بھول گئیں۔ کبھی دیکھا، کبھی پوچھا، ہانیہ کیسی ہے کیا سوچتی ہے کیا چاہتی ہے؟ پاپا کی سیکنڈ میچ نے اس پر کیا اثر ڈالا ہے۔“

”جہاں بڑی ہو گئی ہو ہانیہ۔“  
”نہیں ماما! وہ ذرا سا جھکی۔“ ان کا ہاتھ تھام کر ضبط سے مسکرائی گئی۔

”ابھی آپ کی گود میں سر رکھ کر رہنا چاہتی ہوں۔“  
”اور عالیہ کا دل چاہا وہ اپنی ہنسی سی ہانیہ کو اٹھا کر گود میں چھالیں۔ بیٹے سے لگا کر اپنے سارے بد حالیت رویوں کی خلاف ورزی اور اس سے قبل کہ ان کے جذلوں پر چھایا خود ساختہ خول ٹوٹ جاتا عبدال ہاتھ میں سوا لے گئے تھیا تھا۔

”عبدال! کافون ہے۔“  
”عالیہ کے کچھ بچوں پر پھر سے برف جم گئی۔ ہانیہ نے اک طویل سانس لے کر موبائل تھام لیا۔  
”ہیلو پاپا۔“

”ہیلو ماما! کیسے ہو؟“ وہ سری طرف پلٹا۔  
”ہیش کی طرح خوش باش نئی رفاقت کے احساس نے ان کے لمحے کو کچھ اور شگفتہ کر دیا تھا۔“  
(اور ایسا کیا نہیں تھا ماما میں کہ جس کی کمی آپ کو

ڈگر ڈگر بھٹکتی یہاں تک لے گئی)  
ہانیہ نے ایک نظر ماما کو دیکھا۔ اترتی شام کی ساری زردیاں ماما کے چہرے پر اتر چکی تھیں۔

(اور نجانے وہ کون سا خوف ہے جو ان ہونٹوں کو مسکراتے نہیں دیتا)  
اور وہ سری طرف پاپا پوچھ رہے تھے۔  
”ہانیہ بیٹا! اب آ رہے ہو؟“

”پاپا نہیں پاپا! ابھی میں نے سوچا نہیں۔“ وہ

لا پرواہی سے کندھے اچکا کر بولی تھی اور پاپا کے لیے ہر اصرار کے باوجود وہ انہیں کچھ نہیں سننے سے نہ ہٹاتی تھی۔

♥ ♥ ♥  
ہمت سے دلنا یوں ہی نکلی گئیں۔ نہ وقت بدلات حالات۔ اور نہ ہی موسموں کے تغیر نے میزان پر کوئی اثر ڈالا۔ وہی ماما کے جذلوں کا آثار چڑھاؤ وہی اجنبیت، وہی ہانیہ کی بدگمانی۔

وہ اس سوال کو سلجھانے میں اب بھی ناکام تھی کہ آخر وہ ماما کے اس رویے کی شکار کیوں ہوئی ہے؟  
کیا ماما کے رویے میں یہ تبدیلی محض پاپا کی سیکنڈ میچ کی وجہ سے ہوئی؟

ظاہر ہے ان کا گھر لوٹا ہے۔  
مگر اس میں ہانیہ احمد کا کیا قصور؟  
کیا ہانیہ چاہتی تھی کہ پاپا وہ سری شادی کر لیں۔ یا ماما یوں بے گھر ہو کر تنہا زندگی گزارنے لگیں۔  
نقصان تو ہانیہ کا بھی ہوا تھا۔

اس کا وجود و نشت ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ ماما کے ساتھ آئی تھی کہ اسے ماما کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا احساس تھا مگر وہ پاپا کے لیے بے چین رہتی۔

موسم کی ساری بے چینی ساری بیزاری گویا اس کے میزاج میں رچ بس گئی تھی۔ وہ ماما سے لڑ کر گھر سے نکلی تھی اور اب تنہا اس زرد و سرخ شام میں کالونی کی سڑکوں پر بیٹھ رہی تھی۔ ہوا کی زد میں آیا تنہا زرد و شاخ سے ہاتھ چھڑا کر اس کے قدموں میں آہرا تھا۔ اس کے قدم ٹھٹھک کر رہ گئے۔

”کیا فرق ہے مجھ میں اور اس خشک زرد پتے میں؟“  
اس نے ذرا سا جھک کر پتہ اٹھایا۔ حسبِ عادت وہ اس پتے کو مسل نہ سکی بس ہتھیلی پر رکھے اسے دیکھے گئی۔ سامنے والے بنگلے کے ٹیرس پر کھڑے نو عمر لڑکے نے واٹسن پر اک اداس دھن چھیڑ دی تھی۔ اس نے بیزاری سے پتے کو ہوا کے سرد کیا۔

”اور زندگی میں کچھ نہ ہوتا کس قدر ازیت ناک ہے۔“  
”نگلی بیچ کی ٹھنڈک کو انگلی کی پوروں سے محسوس







احساس دلا گیا کہ وہ کیا کہہ سکتی ہیں اور ہانیہ احمد کا من چاہا کہ وہ جلتے شعلوں کو ہتھیاریوں میں لے کر مسل ڈالے۔ بالکل اس طرح جس طرح ماما نے اس کا دل مسل ڈالا تھا۔ گویا اب ہانیہ احمد اتنی بے وقعت ہو گئی ہے۔

”بانی۔ میں۔“ وہ اضطرابی انداز میں ہاتھ ملتے بچھکتے کہتے رک گئیں۔

”آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟“ وہ ہشکل ہوئی کہ گلے میں پھنسا سارا گیا تھا۔

”میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی بانی۔“ وہ بے بسی سے بولیں۔

”ایسا کیوں سوچتی ہیں ماما آپ؟“

”میں تمہیں تمہارے باپ کے پاس نہیں جانے دوں گی بانی۔“

”کیوں ماما! چاہا میں میرے۔“

”اور میں۔ میں کیا ہوں۔ ہانیہ احمد! میری کیا حیثیت ہے تمہاری نظر میں۔ میں جس نے تمہاری خاطر زندگی کے پچیس برس ضائع کیے۔“ وہ چیخ کر بولیں۔

”ضائع کیے۔“ ہانیہ کرب آمیز دیکھ کے ساتھ ترپا بھی تھی۔ ”ماما! میں اولاد ہوں آپ کی۔“

”ہاں تم۔“ عالیہ کچھ کہتے کہتے لب جھنجھکی گئیں۔

”ماما! میری بات سنیں۔“ ہانیہ نے کچھ کہتا چاہا مگر سلتے ہوئے کچھ میں زلزلہ اٹھیں۔

”میں جانتی ہوں ہانیہ احمد! اگر تمہیں چوائس دی جائے تو تمہاری چوائس تمہارا باپ ہو گیا۔“

”میں نے آپ کو چنا تھا ماما! میں آپ کے ساتھ آئی تھی۔ مگر آپ نے ایک بے فیاد خوف کہا تھا مجھے۔“

ہوش اس ہارت کیا ہے بولیں ماما! اسے میں آپ کی خود غرضی کہوں یا محبت۔ آپ نجانے کس وجہ سے مجھے یوں پیلا سے دور کرنا چاہتی ہیں مگر ایک بات یاد رکھیں ماما۔ پایا کی تمام تر غلطیوں کے باوجود میں ان سے محبت کرتی ہوں۔“

”تو تم رامش سے شادی نہیں کرو گی۔“ ماما کا لہجہ

ایک دم ساٹ ہوا تھا۔

”ماما! مجھے یوں اپنی نظروں میں مت کرا کر۔“

”مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔“

”آپ مجھے فوراً مت کریں ماما۔“

”ہاں ماما۔“

”ماما! میری زندگی کا فیصلہ آپ تھا نہیں کر سکتیں۔“ اس کی بات پر ماما کی آنکھوں میں چنگاریاں سی دیکھا بھی نہیں۔

”تو تم انکار کر رہی ہو۔“ ان کا لہجہ ناقابل فہم سا تھا۔

”ماما پلیز! وہ جیسے ہے اس کی ہو گی۔“

”ہانیہ احمد! چلی جاؤ یہاں سے۔“ وہ ایک دم چلائی تھیں۔

”آپ پہلے میری بات سنیں۔“ ہانیہ کا لہجہ نجانے کیوں سخت ہو گیا تھا۔

”مجھے سے احمد کے لہجے میں بات مت کرو۔“ وہ چیخ کر بولیں۔

”ماما! آپ کیوں بھول جاتی ہیں کہ میرا بچہ بھی ایک لب و لہجہ ہے۔ میں ہانیہ احمد ایک عاقل و بالغ لڑکی ہوں۔ اپنے سارے فیصلے خود کرنے کا پورا حق ہے مجھے۔“

”آپ یا کوئی اور کوئی بھی مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتا۔“ وہ بھی کھڑکی کھول بیٹھی۔

اور ماما نے اسے بازو سے پکڑ کر کھرا کیا تھا۔

”بلیغ ہو جاؤ ہانیہ! چلی جاؤ آپ کے پاس کچھ نہیں ہوں کے لیے مت آنا بھی میرے پاس کچھ نہیں ہوں میں تمہاری۔ گیسٹ ہاؤس ہانیہ احمد۔“

وہ باقاعدہ جھکے دی تھیں۔ ہانیہ ان کی حالت پر شدید روتی رہ گئی۔

”ماما۔ ماما! پلیز میری بات سنیں۔“ وہ بے اختیار انہیں پکارنے لگی تھی۔

”تو۔“ ہانیہ! تم فوراً چلی جاؤ یہاں سے۔ آئی بیٹھا۔“

اور تب ہانیہ کی نہیں تھی۔ بھاگتی ہوئی اپنے

کمرے میں جا تھی تھی۔

”میں جانا نہیں چاہتی ماما! اگر میرا چلے جانا زیادہ بہتر ہے۔ شاید آپ مجھے ساتھ لاکر پچھتاری ہیں۔“ وہ

پچھتاہٹ میں کیے کھڑی تھی۔

”مقبول کو ساتھ لے جاؤ۔“ وہی سپاٹ وا جنٹی آواز کمرے کی نیم تاریکی میں ابھری تھی۔

”وہ نہیں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔“ وہ کہنے کے بعد کچھ لمبے رکی تھی۔ شاید ماما کچھ کہیں مگر وہی صبح کو کھانا لے کر قریبی خاموشی تھی اور ہانیہ خاموشی میں ہی تھی۔

”اس نے ماما کو اطلاع نہیں دی تھی۔“

”ایک خیال سا تھا۔“ عالیہ ماما اسے روک لیں۔

”ہنی ایک خیال کا سفر تھا۔ وہ سیدھا ”حمد دلا“ آئی پورے چار گھنٹے لاسٹوں والا سفید خوبصورت گھر تھی۔ وہی چاکلیسی لاسٹوں والا سفید خوبصورت گھر جس کے دروازوں سے آج بھی اس کا بچپن لپکتا تھا۔

کتنے انمول لمحے اس کی کھڑکیوں دروازوں سے جھانک کر اسے خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

”ہانیہ کا دل بھر آیا۔ گیٹ کھلا تھا اور ساتھ منسلک۔“

”اور اب۔“ ہانیہ کا دل بھر آیا۔ گیٹ کھلا تھا اور وسیع و وسع۔

چکیدار غائب۔

عروض لان عبور کر کے وہ اندر چلی آئی مگر ایک دم سے اجنبیت کے احساس نے گھیر لیا۔ یہ گھر اب کسی اور کی ملکیت تھا اور اس احساس کے ساتھ شاید اس نے

پہلی بار سوچا کہ وہ پایا کی دوسری بیوی سے کس طرح ملے گی۔ پورے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ نجانے کیوں وہ یمن اپنے بندہ روم کے سامنے رکی تھی۔ ایک طویل سانس لے کر اس نے دروازہ کھولا اور پچھلے سے

اندرا داخل ہو گئی۔ مگر اسے ٹھٹھک کر رکنا پڑا۔ اس کے قدموں کے نیچے گرین ٹارپٹ کی جگہ براؤن کارپٹ تھا اور اندر داخل ہوتے ہی جس پینٹنگ پر نظر

جاتی تھی وہ بھی غائب تھی۔ تب ہی ہانیہ نے سر اٹھا کر کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا تو ایک تہہ کا سا لگا تھا۔

کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا تو ایک تہہ کا سا لگا تھا۔

کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا تو ایک تہہ کا سا لگا تھا۔

یہ اس کا بندہ روم تو تھا۔

وہ چلی تب ہی اس کی نگاہ کی گرفت میں رہا یہ نہیں بدھری ایک اجنبی نوجوان کی تصویر پر رہی تھی۔

”ایکس کی کوزی! بھاری سروانہ آواز پر وہ کرنٹ کھا کر بیٹھی۔“

”آپ۔۔۔ آپ کون ہیں؟“ وہ گڑبڑ سی کہی تھی۔

ایک دم اسے احساس ہوا کہ یہ گھر اب اس کا نہیں۔ اور اسے یوں بلا اجازت اندر داخل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ خود بارون سکندر رملیک جینز اور ریڈ ہائی ٹیک جرسی اور اسکارف میں ملبوس اس پریشان سی لڑکی کو اپنے بندہ روم میں اتنی بے تکلفی سے کھڑا دیکھ کر شدید سارہ گیا تھا جو اسے دیکھ کر پریشان سی ہو گئی تھی۔

”میں بارون سکندر ہوں اور آپ؟“ اس نے سر تاپا ہانیہ کا جائزہ لیا۔ وہ کچھ پزل سی ہو کر ہتھیلیاں مسلتے لگی۔

”آپ بول سکتی ہیں؟“ اسے یونہی خاموش دیکھ کر بارون کو کتنا پڑا۔

”میں۔ میں ہانیہ احمد ہوں اور یہ میرا۔۔۔ میرا گھر ہے۔“

بارون سکندر یوں مسکرایا جیسے کسی بچے کی نادانی پر مسکرایا جاتا ہے۔ وہ اس کی مسکراہٹ پر تآؤ کھا گئی۔

”میں ہانیہ احمد ہوں۔ احمد حسن کی بیٹی اور یہ گھر میرا ہے۔“ اب کے اس کا لہجہ مضبوط مگر قدرے

جھنجھلا رہا تھا۔

”مجھے یقین ہے کہ آپ ہانیہ احمد ہی ہوں گی۔ مگر سوال یہ ہے۔“ اس نے گیلہا تو لیکہ بند پر اچھالا اور ڈر تنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر گیلے بالوں میں انگلیاں چلانے لگا۔ ہانیہ احمد کا عکس ڈر تنگ ٹیبل کے آئینے میں متعکس ہو رہا تھا۔ وہ دوبارہ اس کی طرف پلٹا۔

”اگر یہ گھر آپ کا ہے تو میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟“

اس کے لہجے میں ہلکی سی شرارت تھی اور گہری آنکھوں کی زد میں اس کا پورا وجود تھا۔ ہانیہ اپنا اعتمار کھونے لگی۔ گھر میں چھائی پر اسرار سی خاموشی کا

کھونے لگی۔ گھر میں چھائی پر اسرار سی خاموشی کا

کھونے لگی۔ گھر میں چھائی پر اسرار سی خاموشی کا

کھونے لگی۔ گھر میں چھائی پر اسرار سی خاموشی کا

کھونے لگی۔ گھر میں چھائی پر اسرار سی خاموشی کا



اور اک اسے شعوری طور پر ہونے لگا تھا۔ وہ بغیر کچھ کے چلی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

”ہانیہ احمد۔“ وہ اس کے پیچھے نکل آیا تھا۔ ہانیہ ہلو کے پاس ذرا کی ذرا رکی۔

”آپ شاید ڈر گئیں۔“

”نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ مگر وہ بڑل ضرور تھی۔ پھر وہ بغیر اس کی طرف دیکھے بولی تھی۔

”میں چلتی ہوں۔“

”کہاں؟“

ہانیہ ایک لمحے کو سوچ میں ڈوب گئی۔

”آپ غالباً چیچا وطنی سے یہاں آ رہی ہیں؟“

ہانیہ احمد کا سر بے اختیار اثبات میں ہلاتھا۔

”آپ کے فادر نے سہ گرج کیا ہے؟“

ہاتھ۔

”جواب؟“ ہانیہ احمد نے ایک جھٹکے سے سراٹھا کر

بارون سکندر کو دیکھا۔ اسے یقیناً ”شاک“ لگا تھا۔

بارون سکندر نے پوری طرح اس کی کیفیت محسوس کی

تھی۔

”آپ میں آپ کو آپ کے فادر کا ایڈریس دیتا

ہوں۔“

ہانیہ ایک قدم بھی نہیں بل سکی۔ دماغ ایک دم سن

ہو گیا تھا۔ بارون سکندر واپس کمرے میں چلا گیا۔ وہ

تب بھی وہیں کھڑی رہی۔ ایک اوجھ منٹ کے بعد

واپس آکر اس نے ایک کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

”یہ آپ کے فادر کا ایڈریس ہے۔“

ہانیہ نے یونہی ہاتھ بڑھا کر کارڈ تھام لیا۔

”میں آپ کو ڈراپ کروں؟“ بارون نے اس کی

کیفیت کے پیش نظر آفر کی۔ ہانیہ نے نفی میں سر ہلایا

اور باہر نکل آئی۔



”میں وہ گھر پہنچتا نہیں چاہتا تھا مگر بزنس میں اتنا بڑا

نقصان پایا سگار سلگاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ہانیہ

نے ایک نظر اپنے گریس فل سے پیار ڈالی۔

”میں نے تو تب بھی کچھ نہ کہا تھا جب آپ نے

دوسری شادی کی۔“

پاپا خاموش سے ہو گئے۔ ہانیہ پھر سے لان میں کھڑ

پھولوں کو شمار کرنے لگی۔ وہ اس وقت پاپا کے سنے کمر

میں تھی۔ پاپا کی سیکنڈ وائف فادرن ٹور پر تھی اور شاید

ان دونوں اسی لیے پاپا سے اتنے اصرار سے بلا رہے

تھے۔

”تم۔ تم خوش تو ہو ہانیہ۔“

ہانیہ ایک لمحے کو خاموش رہی پھر پوری سچائی سے

بولی تھی۔ ”نہیں۔“

پاپا خاموش ہو گئے۔ ”اور۔ اور عالیہ!“

انگلے سوال پر ہانیہ نے بغور انہیں دیکھا۔ وہ نظریں

چرا گئے۔

”کیا انہیں خوش ہونا چاہیے۔“ ہانیہ نے انسا سوال

کیا۔

”یہ سب عالیہ کا قصہ ہے۔ میں دوسری شادی ہی

تو کر رہا تھا اسے چھوڑ تو نہیں رہا تھا۔ خود بھی چلی گئی اور

تم کو بھی ساتھ لے گئی۔“ پاپا نے ہنسیلا ہٹ آمیز

ایک لڑائی میں کچھ جانے والے سگار کو دیکھا۔

”وہ مجھے رز دیتی تھیں۔“ ہانیہ نے گہری سانس میں گئی تھی

ان کے ساتھ کیونکہ ماما بہت اکیلی ہو چکی تھیں اور اس

لمحے انہیں میری زیادہ ضرورت تھی۔“ ہانیہ کا لہجہ

ٹھوس تھا۔ پاپا نے بغور اسے دیکھا پھر پوچھنے لگے۔

”جی بہت زیادہ شاید۔ شاید آپ سے بھی

زیادہ۔ مگر ماما کو مجھ سے محبت نہیں ہے اور جس

طرح انہوں نے مجھے بے وقعت کیا ہے۔“

بے اختیار بات اور پوری چھوڑ کر اس نے لب

بھینچے۔

”کیا۔ کیا کا تھا عالیہ نے؟“ پاپا بے قرار ہو کر

پوچھنے لگے۔

”کچھ نہیں۔“ ہانیہ ان دونوں کے درمیان مزید

فاصلے پیدا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا پاپا کو یہ

بات اتنی ہی بری لگے گی جتنی کہ ہانیہ کو لگی تھی اور پاپا

بھی جانتے تھے اب ہانیہ انہیں کچھ نہیں بتائے گی۔



”اوجھرتے ہیں۔“ وہ بات بدل گئے۔ لہجہ خاصا  
اہتمام تھا اور پایا ایک ایک پوش اس کے سامنے رکھ کر  
اپنے ساتھ رسیے کی تلاش کرنے کی کوشش کر رہے  
تھے۔

لہجہ کے بعد بھی وہ اس کے ساتھ لہجہ میں بیٹھے  
اور ہر ادھر کی باتیں کرتے رہے اور وہ ہوں ہاں کرتی  
جھینٹ بدلتی رہی۔ اسے پایا کو سننا اچھا لگتا تھا مگر کچھ  
اجنبیت کا احساس بھی تھا اور جب اگلے دن بھی پایا کی  
بکی روشن رہی تو وہ کہہ گئی۔

”پاپا! آپ میری وجہ سے خود کو پابند مت کریں۔  
میں اپنی دلچسپیاں خود بخود ٹھونڈ لوں گی۔“  
اور پایا نے گاڑی کی چابی اس کی طرف کھسکادی  
تھی۔

”نچو! بے پروا سیلف مائی ڈائر۔“  
اور اگلے کئی دن اس نے لاہور کی سڑکیں پالی  
تھیں۔ نہ کسی رشتے دار کے گھر گئی اور نہ کسی فریڈ  
سے ملی۔ کوئی سربراہ مل بھی جاتا تو یوں نظر انداز کرتی  
جیسے کبھی ملی ہی نہ ہو۔ یونہی کسی سے بات کرنے کو  
من ہی نہ کرتا تھا۔

اس دن موسم بہار تھا۔ خوبصورت تھا۔  
بلک کن من سے جاری تھی جس نے موسم کی  
خوبصورتی کے ساتھ ساتھ سردی کی شدت میں بھی  
اختلاف کر دیا تھا۔ بارش کی توجہ گرم شال پوشی ملازم کو  
کالی کاکر گرلان میں نکل آئی۔ دھیمان بھٹک کر ماما کی  
طرف چلا گیا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی ماما نے ایک  
بار بھی فون نہیں کیا تھا۔

شاید وہ بھی چاہتی تھیں۔ اس نے زور سے سر  
جھٹک کر اس رخ سوچ سے چیخا چھڑانے کی کوشش  
کی۔ تب ہی چونک کر اترنے گئی کھولا تو ایک گاڑی  
پھسلتی ہوئی اندر چلی آئی۔ بارون سکندر نے اسے لان  
میں دکھا تو سیدھا وہیں چلا آیا۔ اس کے ہاتھ میں ادھ  
کھلے گلابوں کا خوبصورت بو کے تھا۔

”ہیلو۔“  
”ہیلو! اگر آپ کی سسز تو۔“ ہانیہ نے کہنا چاہا۔

”میں ان سے ملنے نہیں آیا۔“ وہ مسکرایا۔  
”ہاں بھی۔“  
”مجھے ان سے بھی نہیں ملنا۔“  
”تو۔“ ہانیہ نے قدرے ناگواری سے اسے  
دیکھا۔

”یہ میں آپ کے لیے لایا تھا۔“ اس نے گلہ  
ہانیہ کی طرف بڑھایا۔  
”میرے لیے گھر کیوں؟“  
”کیوں؟“ وہ زور سے ہنس دیا۔ ”بڑا بڑا  
سوال ہے۔“

”مگر میرا دل نہیں چاہ رہا یہ بھول لینے کی۔“  
”نیور مائنڈ۔ ڈسٹ پر ہل چھینک دیتے گا۔ مگر  
لینے کے بعد۔“ اس کا لہجہ خوبصورت اور مستقیم تھا۔  
ہانیہ نے گویا مجبوراً ”وہ گلہ ستہ تھا ماما تھا۔“

”تھنک یو۔“ اس نے ایک بھر پور نگاہ ہانیہ اور  
وہاں جو نبھانے کس سوچ میں ڈوب گئی تھی۔  
”میں اب چلتا ہوں۔“

”بس۔“ ہارون سکندر نے کہا۔ پھر ہنس دیا ہانیہ  
دل چاہتی۔  
”میں نہیں کافی منگواتی ہوں۔“ اسے میسر  
یاد آئے۔

”نیکسٹ ٹائم۔“ وہ ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ ہانیہ  
جھٹک کر بھولوں کو دیکھتی بید روم میں آئی۔ بجائے  
کیوں ماما سے بات کرنے کو دل چاہنے لگا تھا اس نے  
بو کے بیڈ پر رکھ کر نمبر ڈائل کیا۔ وہ سری نیل پر ریسر  
عبدال نے اٹھایا تھا۔

”عبدال! میں ہانیہ! کہاں ہیں؟“  
”ہانیہ! لی بی او تو ابی انی کے گھر گئی ہیں۔ اسی دن  
سے جب آپ یہاں سے تھیں۔“ عبدال نے سلام  
کے بعد بتایا تھا۔

”اچھا۔“ وہ چپ سی ہو گئی۔  
”آپ اور فون کر لیں لی بی۔“

”ہاں کر لوں گی۔“  
”صاحب! جھٹک کر لیں۔“ ہانیہ نے آہستگی سے  
”ہاں۔“ تم کھانا خیال رکھنا۔“ ہانیہ نے آہستگی سے  
کہا اور فون بند کر دیا۔

”تو ماما! آپ۔“ چاہتی تھیں کہ میں درمیان سے  
نکل جاؤں۔ میں آپ کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکی ماما۔  
میں اپنی تصویر بھی ہوتی ہے۔ میں تو کبھی یہ بھی نہ جان  
سکی کہ آپ چاہتی کیا ہیں؟“  
بدگمانی کے غبار نے دل کے شفاف آئینوں کو  
دھندلا دیا تھا۔

”تمہاری ماما کا فون آیا تھا۔“ فون پر پایا نے اسے  
بتایا۔  
”ہاں کب؟“ ہانیہ نے بے تابانہ آواز میں  
پوچھا۔ پایا نے ایک بل کو اس کی بے تالی محسوس کی پھر  
پلیٹ میں چکن کا پیس ڈالتے ہوئے بولے تھے۔

”آپ گھر نہیں تھیں۔ رات میں رنگ کر لیتا  
مگر آپ جا رہے تھے۔“  
ہانیہ خاموش رہی۔ کچھ دیر پلیٹ میں چادروں سے  
کھینچنے کے بعد اس سے رہا نہ گیا تو چیخ چھوڑ کر کھڑی  
ہو گئی۔

”میں پہلے فون کر لوں۔ ماما انتظار کر رہی ہوں گی۔“  
پاپا کچھ نہیں بولے خاموش ہی رہے۔ ہانیہ نے  
نہر نہیں کیا وہ سری طرف ماما ہی تھیں۔

”ہانیہ! میری جان کہاں چلی گئی ہو تم؟“ وہ گویا رو  
پڑی تھیں۔  
”ماما! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟“ ریلیکس۔ ”قدرتی طور پر  
”تھوڑا سا پریشان ہو گئی تھی۔“

”میری بات مان لو ہانیہ! پلیز واپس آ جاؤ۔“  
ہانیہ جو ان کے لیے بریشان ہو گئی تھی ان کی اس  
بات پر بری طرح ہرٹ ہو گئی۔

”ہانیہ! تم نے کیا سوچا ہے؟“ مینا! بتاؤ نا۔“  
”کچھ سوچنے کے لیے چھوڑا ہے ماما آپ نے۔“ وہ

ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ ”یہی ہرچہ لیتیں کہ  
ہانیہ تم جھٹک تو ہو۔“  
”ہانیہ! میری بات مان لو۔“ وہ جتنی لمبے میں کہ  
رہی تھیں۔

”کیوں فورس کر رہی ہیں مجھے۔“  
پاپا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ جبکہ ماما کہہ رہی  
تھیں۔

”رامش نے انکار نہیں کیا ہانیہ! وہ تو۔“  
”اس نے مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے ماما! ہانیہ احمد  
کے لیے اس سے بہتر پروپوزل تو آئی نہیں سکتا۔“ وہ  
زہر خند لہجے میں بولی تھیں۔

”ہانیہ! اتم یسین کرو وہ لوگ۔“  
”ماما! اس ٹاپک کو بند کر دیں۔“  
”ہانیہ! اتم میری بات کیوں نہیں سن رہی ہو؟“  
اور ہانیہ نے فون بند کر دیا۔ ماما کوئی اور بات ہی  
نہیں کر رہی تھیں۔

”سم تھنک رائٹ۔“ پایا نے پوری طرح اس کے  
سرے پر چھپے تناؤ کو محسوس کیا۔  
”پاپا کیوں۔“ کیوں کر رہی ہیں ماما میرے ساتھ  
اس طرح۔“ وہ ضبط کے آخری مراحل میں تھی۔

”کیا ہوا بیٹے اپنے پایا کو بتاؤ۔“ پایا کے نرم لہجے پر وہ  
بکھری گئی۔  
”بولیں پاپا! آپ کی بیٹی اتنی بے وقعت و بے  
حیثیت ہے۔“ سب کچھ بتا کر وہ پوچھنے لگی۔ انہوں  
نے بے اختیار جھٹک کر اس کی پیشانی چوئی۔

”میری بیٹی بہت انمول ہے۔ کوئی ہے اس جیسا۔“  
تمہارے لیے تو اتنے بڑے بڑے گھرانوں سے پروپوزل  
آئے ہیں۔ وہ رامش کیا حیثیت رکھتا ہے۔“

”تو ماما مجھے کیوں فورس کر رہی ہیں پاپا؟“ وہ الجھ گئی  
تھی۔  
”میں جانتا ہوں عالیہ کے دل میں کیا ہے؟“  
ہانیہ نے چونک کر پایا کو دیکھا۔

”وہ تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتی ہے۔ وہ یہ  
ثابت کرنا چاہتی ہے کہ تم اس کو مجھ پر ترجیح دیتی ہو۔“



ایک اتار رست عورت سے وہ بچا دکھانا چاہتی ہے  
مجھے "پاپا زبردست لہجے میں کہہ رہے تھے۔ ہانیہ ایک  
طویل سانس لے کر رہ گئی۔

"میری خوفناک آپ کی طرف سے ہے۔"  
"بے بنیاد ہے۔ میرا ایسا کوئی ارادہ ہوتا تو تمہیں  
کبھی اس کے ساتھ نہ جانے دیتا۔" وہ فوراً بولے۔  
"میں جانتا تھا کچھ بھی ہو جائے میری بیٹی میرے پاس  
ہی رہے گی۔"

"پاپا! آپ اتنی ہی بات کیوں تسلیم نہیں کر لیتے کہ  
میں آپ دونوں کی اولاد ہوں۔ آپ کوئی بھی غلطی  
کریں ایک دوسرے کو کتنا بھی دس بارت کریں میں  
آپ دونوں سے محبت کرتی ہوں۔"

"آئی نو مائی ڈائرن۔" پاپا نے دھیرے سے اس کا گل  
تھپتھپایا۔ "ہر ایک بات پر یقین کرو۔ تمہاری ماما  
تمہیں فوراً نہیں کر سکتیں۔"  
پاپا کے پریچین لہجے پر وہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی۔

♥ ♥ ♥ ♥ ♥  
فک یادوں بھری شام کے سائے در و دیوار پر  
اترے تھے۔ کافی دیر پہلے کافی کاف کاگ ہاتھ میں لیے  
نیرس پر نکل آئی تھی اور اب آسمان پر نظریں جمائے  
سوچ رہی تھی۔

"تمہی بے رنگ اور بے کیف زندگی ہو گئی ہے۔"  
جیسے جیسے کچھ رہا ہی نہیں۔

"صرف مجھے خوابوں کے لیے۔"  
ایک مختصر لہجہ اس کی سماعتوں میں گونج رہا۔ وہ بری  
طرح چوٹ مارتی۔ پھر سر جھٹک کر رہ گئی۔

"کچھ لوگ نہ جانے کیوں پہلی ملاقات میں ہی متاثر  
کر جاتے ہیں۔"  
"ہیلو۔"

ہانیہ چونک کر چلی پھر ہارون سکندر کو سامنے دیکھ کر  
ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ نہ جانے کیوں یہ شخص  
اس کے پیچھے ہی پر گیا تھا۔ اکثر چلا آتا۔ ہانیہ جزیب ہو کر  
رہ جاتی مگر اس کا شرعاً نہ اور معقول انداز ہانیہ کو کچھ  
بھی کہنے سے باز رکھتا تھا اور پھر وہ پاپا کی سیکندرا آف کا

فرسٹ کزن بھی تو تھا۔

"ہیلو! اس کے ہاتھ میں حساب معمول سر  
مکاپوں کا گلدستہ تھا جو اس نے ہانیہ کی طرف بڑھایا۔  
"آپ نے کبھی پوچھا نہیں ہارون سکندر آپ سے  
جانے کے بعد میں ان پھولوں کا کیا کرتی ہوں۔ ہانیہ  
نے گلدستہ تمام کر پوچھا تھا۔

"جو کچھ بھی ہو ان پھولوں کا نصیب۔" سر  
معمول اس نے بات ہی ختم کر دی۔ ہانیہ نے جھنجھلا کر  
اسے دیکھا۔ پھر پھول سفید میل پر تقریباً پختہ تھے۔  
"آپ یہ پھول مت لایا کریں۔ مجھے اچھا نہیں  
لگتا۔"

"اوکے نہیں لاول کا۔" وہ نہ جانے کس سوز میں  
تھا بہت آرام سے گدھے اچکا کریوں بولا جیسے کہ  
"میں ہانیہ نے اسے کبھی پھول لانے سے منع کر  
لیا ہو۔"

"آج کافی نہیں پلو میں گی۔" ہارون نے اس کے  
بولنے سے قبل ہی اوہرا دھڑک کر بات بدل دی۔

ہارون نے اسے گدھے "خندی کر لے۔" وہ دونوں  
کا کردار بڑھانے لگی اور کافی کے سائے اور  
ہونے تک ہانیہ نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔  
"ہارون سکندر رہی پوتا رہا۔ اپنی دلچسپیاں اپنے  
شوق و آہن سنی کرتی رہی اور اس بات پر جرتی رہی  
کہ وہ اسے برا سمجھ کر رہ گئی ہے۔"

"ہارون سکندر! مجھے نہیں جانتا ہے۔" بہت دیر کے  
بعد اس نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک دم خاموش ہو گیا۔  
"اوکے" اس نے کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ پینٹ  
کی جیبوں میں گھسائے اور دھند میں کھلے اوتھ کھلے  
گلاب جیسی لڑکی کو بغور دیکھا۔

"سنو ہانیہ! مجھے نہیں معلوم کہ تم میرے بارے  
میں کیا فیلنگز رکھتی ہو مگر میں تم سے شادی کرنا چاہتا  
ہوں۔"

کس آسانی سے کہہ گیا تھا۔ ہانیہ ساکت رہ گئی۔  
"تم نے جواب نہیں دیا؟"  
"تم یہاں سے پے جاؤ۔" وہ غصے ہوئے لہجے

میں بولی تھی۔  
"جو ابھی لے رہی تھی۔" اس کا لہجہ  
"مجھو تم نے کوئی سوال نہیں کیا۔" اس کا لہجہ  
"ہاں ہو گیا تھا۔" وہ ٹلنے والا  
نہیں تھا۔  
"مجھے کسی سے شادی نہیں کرنا۔"  
"ہاں سے بھی نہیں" اس امپا سبل۔ "وہ خیر آمیز  
ہی نہیں۔"  
"ہاں سے نہیں۔" ہانیہ کے لہجے میں  
"ہاں سے نہیں۔" ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔  
ہانیہ خاموش رہی، مگر اس کے انداز گیٹ لاسٹ  
کہہ رہی تھی۔ "ہانیہ۔ ہانیہ سر جھٹک کر اپنے غصے  
کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لگی۔

ہانیہ نے سوال کیا ہے ہانیہ احمد۔ "وہ ٹلنے والا  
نہیں تھا۔  
"مجھے کسی سے شادی نہیں کرنا۔"  
"ہاں سے بھی نہیں" اس امپا سبل۔ "وہ خیر آمیز  
ہی نہیں۔"  
"ہاں سے نہیں۔" ہانیہ کے لہجے میں  
"ہاں سے نہیں۔" ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔

ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔

ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔

ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔

ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔

ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔

ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔

ہانیہ نے جڑ کر اسے دیکھا۔  
"اوکے۔" اوکے "وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس سے  
قبل کہ تم مجھے دھکے دے کر نکالو، آئی تھنک" ہانیہ  
چلی۔

"کہتے مختلف لکے پاپا ماما۔" وہ شامت سی ہو کر  
سوچنے لگی اور پاپا کہہ رہے تھے۔  
"کچھ دنوں تک اس کے قادر اور ہر انگلیڈ سے  
والیس آ رہے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ان۔"

"پاپا! آپ کی سیکندرا آف کا کزن ہے۔"  
"تو؟" پاپا نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔  
"پاپا! ماما۔ ماما راضی نہیں ہوں گی۔" وہ سر جھٹکا کر  
رہ موش کشنول سے کھیلے ہوئے بولی۔

"مگر ہارون سکندر راضی ہے۔ آفندی کا کزن نہ ہوتا تو  
کیا تمہاری ماما راضی ہو جاتیں؟" انہوں نے اچانک  
پوچھا اور ہانیہ اچھی طرح جانتی تھی، ماما رامش کے  
علاوہ کسی اور کے لیے ہرگز راضی نہ ہوں گی۔ تب ہی  
ایک خیال سا فہم میں آیا۔

"پاپا! کیس۔" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی اور پاپا  
ایک بل میں جان گئے وہ کیا سوچ رہی ہے تب ہی سر  
جھٹکتے ہوئے بولے۔

"تو۔ نو مائی چائلڈ۔ میں تمہیں ہرگز فورس نہیں  
دوں گا۔ تم جو بھی فیصلہ کرو، میرے اور اپنی ماما کے  
مابین سے بالکل آزاد ہو کر اور یہ سوچ کر کرو کہ زندگی  
میں گزارنی ہے۔ خواہ تمہارا فیصلہ رامش کے حق  
میں ہو یا ہارون کے۔ تمہارے لیے ہر حال یہ آخری  
پروپوزل نہیں ہے۔"

پاپا نے فیصلے کا حق اسے دے کر پھر سے انمول  
کر دیا۔

"میں سوچوں گی پاپا۔"  
نہ جانے کس سوچ کے زیر اثر اس نے یہ جملہ کہا  
تھا۔ پاپا کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

♥ ♥ ♥ ♥ ♥  
"لیکن آپ ہیں کون؟"  
"محافظ اس سر زمین کا۔ اس کی سرحدوں کا" میاں  
کے لوگوں اور۔"

"اور۔"  
"آگے لائن خالی ہے تم چاہو تو پر کر لو۔"  
وہ جب بھی کچھ سوچنا چاہتی، براؤن آنکھیں اس

پاپا نے اسے ایک دم سے معتبر کر دیا تھا۔



کے تصور میں جھگڑ گئے تھیں۔

”میں آپ کو نہیں جانتی۔“

”میں تو آپ کو جانتا ہوں۔“

اک سرگوشی سی سماعتوں میں پھول کھلاتی تھی۔

کیوں؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

وہ حیران ہو کر سوچتی۔ محض دو تین بار تو ملی تھی میں اس سے۔ پھر اچانک کیوں سوچوں میں کس آواز سے زبردستی تھی۔

”آوازاتِ لبو؟“ وہ خود ہی سوال اور پھر خود ہی جواب دیتی۔ ”یہ محبت نہیں۔ میں ہانیہ احمد اتنی جلدی کسی سے محبت نہیں کر سکتی۔ بس یہ کسی اک خیال سا آجانا ہے۔“

”مگر یہ بارون سکندر۔ پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔“

”پر روز بچے آجاتا۔“

”تم نے کیا سوچا ہانیہ؟“

وہ خاموش رہتی۔ کیا بتاتی کہ وہ کیا سوچتی رہتی ہے اور وہ پھر راجحانہ سے سکراتا۔

”تم انکار کر رہی نہیں سکتیں۔ میری محبت سے منہ موڑنا ممکن ہی نہیں۔“

اس کے لیے میں اپنی ذات کا تقاضا کرتا۔ تو وہ چپ سی ہو جاتی۔

”تم نے پھر کیا فیصلہ کیا جانو۔“ بہت دنوں بعد پاپا نے اس سے پوچھا تو اس نے کہہ دیا۔

”خجک ہے پاپا، مگر آپ ماما سے ضرور پوچھ لیجئے۔“

”ک۔“

اسے خود بھی اپنے جذباتوں کا اور اک نہ تھا اور ایک شخص بڑی چاہ سے اسے مانگ رہا تھا۔ پاپا کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

”کل پر سون بارون کے والدین بھی آجائیں گے تو ہم منگنی کی رسم کر دیں گے۔“

”پاپا اتنی جلدی اور ماما۔“

”میں اور تم خود جائیں گے انہیں لینے۔“

”پاپا۔“ اس نے بے یقینی سے پاپا کو دکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

اور شام کو بارون سکندر کا فون آیا تھا۔

”مستیک بوبانی ڈیر۔ مجھے اندازہ تھا کہ تم سارا فیصلہ ہی ہو گا۔“

اس کی ہنسی میں بڑی تسوہی تھی۔ کچھ حیرت لینے کا غر۔ ہانیہ جھجک گئی۔

”میں تمہیں ڈیر لے جانا چاہتا ہوں ہانیہ۔“

”بارون سکندر! ابھی ہماری انگریجمنٹ نہیں ہوئی۔“

”نجانے کیوں یہ فیصلہ کر کے وہ خوش نہ تھی۔“

”احمد حسین کی بیٹی اور اتنی بیکورٹ۔“

”بارون سکندر! مجھے کس جانتا ہے۔“

”ہانیہ نے بغیر خدا جاننے کے فون بند کر دیا تھا۔“

”مگر میں اس کا احساس ہے جو سن میں کبھی کبھی جھٹکتا ہے۔“

”کیوں یہ فیصلہ غلط تو نہیں۔“

”خوشی کی بیک پر سرنگام وہ سوچے جا رہی تھی۔“

”ماما! ہانیہ نے تیرے لیے ہنوار کئے تھے۔“ وہ ایک ایک بڑبھول کر دکھانے لگیں۔

”ماما! اس طرح کیوں دے رہی ہیں۔“ وہ ماما کے انداز ردی گئی تھی۔

”خجک ہے پاپا، مگر آپ ماما سے ضرور پوچھ لیجئے۔“

”ک۔“

اسے خود بھی اپنے جذباتوں کا اور اک نہ تھا اور ایک شخص بڑی چاہ سے اسے مانگ رہا تھا۔ پاپا کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

”کل پر سون بارون کے والدین بھی آجائیں گے تو ہم منگنی کی رسم کر دیں گے۔“

”پاپا اتنی جلدی اور ماما۔“

”میں اور تم خود جائیں گے انہیں لینے۔“

”پاپا۔“ اس نے بے یقینی سے پاپا کو دکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

اور شام کو بارون سکندر کا فون آیا تھا۔

”مستیک بوبانی ڈیر۔ مجھے اندازہ تھا کہ تم سارا فیصلہ ہی ہو گا۔“

اس کی ہنسی میں بڑی تسوہی تھی۔ کچھ حیرت لینے کا غر۔ ہانیہ جھجک گئی۔

”میں تمہیں ڈیر لے جانا چاہتا ہوں ہانیہ۔“

”بارون سکندر! ابھی ہماری انگریجمنٹ نہیں ہوئی۔“

”نجانے کیوں یہ فیصلہ کر کے وہ خوش نہ تھی۔“

”احمد حسین کی بیٹی اور اتنی بیکورٹ۔“

”بارون سکندر! مجھے کس جانتا ہے۔“

”ہانیہ نے بغیر خدا جاننے کے فون بند کر دیا تھا۔“

”مگر میں اس کا احساس ہے جو سن میں کبھی کبھی جھٹکتا ہے۔“

”کیوں یہ فیصلہ غلط تو نہیں۔“

”خوشی کی بیک پر سرنگام وہ سوچے جا رہی تھی۔“

”ماما! ہانیہ نے تیرے لیے ہنوار کئے تھے۔“ وہ ایک ایک بڑبھول کر دکھانے لگیں۔

”ماما! اس طرح کیوں دے رہی ہیں۔“ وہ ماما کے انداز ردی گئی تھی۔

”خجک ہے پاپا، مگر آپ ماما سے ضرور پوچھ لیجئے۔“

”ک۔“

کے بعد ہاتھ آیا تو اک سفر لا حاصل۔ میں پھر بھی حسی دامن میں پھر بھی خالی ہاتھ۔

”کیا کہہ رہی ہیں ماما آپ۔“

”احمد حسن کا فون آیا تھا اس نے کہا۔“

”عالیہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں کچھ ہوش کرو۔“

”شایدہ آئی اندر آئیں۔ عالیہ کو یوں روٹے دکھاتے سنبھالنے لگیں۔“

”میرا کیا تصور تھا۔“ ماما اب بھی ردی تھیں۔

”ہانیہ! بیٹے آپ باہر جاؤ۔“ شایدہ آئی نے پلٹ کر حیران و پریشان کھڑی ہانیہ سے کہا۔

”مگر آئی۔“

”ہانیہ پلیز! آپ جاؤ سیمل کے پاس۔“ شایدہ آئی کے لیے میں سختی در آئی تھی۔ وہ ان کے لیے سے خائف ہو کر باہر نکل گئی۔

”تمہیں کیوں چلی گئی تھیں ہانیہ۔“

”سیمل پوچھنے گئی وہ رک کر اوپر اوپر دیکھنے لگی۔“

”جیسے اس سوال سے بچنے کی کوشش کر رہی ہو۔“

”بھی گویا اس کی پراہم سمجھ گئی تھی۔ تب ہی سر جھٹک کر بولی۔“

”اچھا چھوڑو۔“

وہ دونوں اس وقت باغ میں تھیں۔ نرم دھوپ کھنی شاخوں کے بیچ سے چھن چھن کر آرہی تھی۔ سنگترے اترنے کا موسم تھا۔ عورتیں مرد بچے اپنی اپنی ٹوکریاں سنبھالے بڑے بڑے پتے ہاتھ میں لے لگے تھے۔ فضا میں کھٹی کھٹی خوشبو سی تھی۔

”سیمل۔“ ہانیہ نے ایک دم پلٹ کر اس کا ہاتھ تھاما۔ ”بتاؤ ماما کو کیا ہوا ہے۔ پاپا کا فون آیا تھا۔ انہوں نے کیا کہا ماما۔“

”تمہارے پاپا سے ان کی کیا بات ہوئی یہ تو مجھے نہیں معلوم۔ مگر تمہارے جانے کے بعد پھپھو جب یہاں آئیں تو ان کی حالت بہت عجیب تھی۔ بلکہ ہم سب کو حیرت ہوئی کہ تم انہیں اس حالت میں چھوڑ کر

”ماما! ہانیہ نے تیرے لیے ہنوار کئے تھے۔“ وہ ایک ایک بڑبھول کر دکھانے لگیں۔

”ماما! اس طرح کیوں دے رہی ہیں۔“ وہ ماما کے انداز ردی گئی تھی۔

”خجک ہے پاپا، مگر آپ ماما سے ضرور پوچھ لیجئے۔“

”ک۔“

اسے خود بھی اپنے جذباتوں کا اور اک نہ تھا اور ایک شخص بڑی چاہ سے اسے مانگ رہا تھا۔ پاپا کے لبوں پر بھرپور مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

”کل پر سون بارون کے والدین بھی آجائیں گے تو ہم منگنی کی رسم کر دیں گے۔“

”پاپا اتنی جلدی اور ماما۔“

”میں اور تم خود جائیں گے انہیں لینے۔“

”پاپا۔“ اس نے بے یقینی سے پاپا کو دکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

اور شام کو بارون سکندر کا فون آیا تھا۔

”مستیک بوبانی ڈیر۔ مجھے اندازہ تھا کہ تم سارا فیصلہ ہی ہو گا۔“

اس کی ہنسی میں بڑی تسوہی تھی۔ کچھ حیرت لینے کا غر۔ ہانیہ جھجک گئی۔

”میں تمہیں ڈیر لے جانا چاہتا ہوں ہانیہ۔“

”بارون سکندر! ابھی ہماری انگریجمنٹ نہیں ہوئی۔“

”نجانے کیوں یہ فیصلہ کر کے وہ خوش نہ تھی۔“

”احمد حسین کی بیٹی اور اتنی بیکورٹ۔“

”بارون سکندر! مجھے کس جانتا ہے۔“

”ہانیہ نے بغیر خدا جاننے کے فون بند کر دیا تھا۔“

”مگر میں اس کا احساس ہے جو سن میں کبھی کبھی جھٹکتا ہے۔“

”خوشی کی بیک پر سرنگام وہ سوچے جا رہی تھی۔“

”ماما! ہانیہ نے تیرے لیے ہنوار کئے تھے۔“ وہ ایک ایک بڑبھول کر دکھانے لگیں۔

”ماما! اس طرح کیوں دے رہی ہیں۔“ وہ ماما کے انداز ردی گئی تھی۔

”خجک ہے پاپا، مگر آپ ماما سے ضرور پوچھ لیجئے۔“

”ک۔“



چلی کس طرح گئیں۔ وہ رات کو سوتی نہیں تھیں۔ بار بار یہی کہتی تھیں کہ احمد حسن اب ہانیہ کو کبھی نہیں آنے دے گا اور جب ہم کہتے کہ ہانیہ کو فون کر کے بلوا لیتے ہیں تو صاف انکار کر دیتیں۔ ہمیشہ یہی کہتیں کہ میں دیکھنا چاہتی ہوں میری محبت میں کتنی طاقت ہے۔

”سیمل! اما کو یہ خوف کیوں ہے کہ بابا مجھے ان سے ملنے نہیں دیں گے۔“ ہانیہ نے اچانک پوچھا۔ سیمل گڑبڑا سی گئی۔ پھر کندھے اچکا کر بولی۔

”میں کیا جانوں۔ شاید اپنے حالات کی وجہ۔“

”کچھ اور کچھ اور بھی سے ناما کے دل میں۔“

”مجھے کیا معلوم پچھو کے دل میں کیا ہے۔ مگر ان کی بلکہ ہم سب کی کسی خواہش بھی کہ ہم اس گھر میں

خیر چھوڑ دو جو تمہارا اور تمہاری قسمت کا فیصلہ۔“ وہ بات ادھوری چھوڑ گئی۔

”میرا اور میری قسمت کا فیصلہ۔“ اس نے زیر لب

دہرایا۔ ”میں کون سا فیصلہ میرا ہے اور کون سا

میرا؟“ سیمل نے قدرے حیرت سے اسے

دیکھا۔

”مطلب بھی کیا نہیں۔“ وہ پھکی سی ہنسی ہنس

دی۔

”میرے بھائی میں کوئی کمی تو نہ تھی ہانیہ۔“ سیمل

چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی۔

”جانتی ہوں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔ ”او چلتے

ہیں۔“

تب ہی دائیں طرف کے درختوں کی اوٹ سے

سفید گھوڑا اچانک ان کے سامنے آ کر رکا۔ وہ

ٹھٹھک کر ٹھہر گئیں۔

”تم لوگ کہاں گھوم رہی ہو؟“ وہ کود کر نیچے اترا اور

ان کے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔ ہانیہ احمد ششدر

سی رہ گئی۔

”یوں ہی گھومنے نکل آئے تھے رامش بھائی۔“

”رامش۔“ حیرت کا اگلا لمحہ اس کی آنکھوں میں

منجمد ہوا۔ تو ڈارک براؤن آنکھیں مسکرا دیں۔

”یہ ہانیہ احمد ہے۔“ سیمل نے تعارف کروایا۔

”کیسی ہو ہانیہ؟“ وہ متبسم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

جبکہ وہ خود فکر لکر کرا سے دیکھ گئی تھی۔

”رامش بھائی! کیا آپ لوگ ایک دوسرے کو

جانتے ہیں۔“ سیمل نے قدرے حیرت سے دریافت

کیا۔

”ہانیہ سے پوچھو۔“ وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا

گیا۔

”ہانیہ۔“ سیمل اس کی طرف پلٹی تو ہانیہ چونک گئی

۔ اس نے اک سکتی نظر رامش پر ڈالی اور خفگی آمیز

لہجے میں بولی۔

”میں کسی کو نہیں جانتی۔“ وہ تلخی سے کہہ کر پلٹ

گئی۔

”اس کو کیا ہوا؟“ سیمل نے حیرت سے پوچھا۔

رامش بس کندھے اچکا کر رہ گیا۔

♥ ♥ ♥

”خفا ہو؟“ وہ منہ کے انتظار میں بیٹھی تھی جب

رامش اس کے سامنے آ بیٹھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”میں نے چاہا کہ اپنا تعارف کروا دوں۔ مگر پھر سوچا

گھر میں ملاقات ہونا چاہئے گی۔ پھر میں واپس چلا گیا۔

بکری۔

”بس ٹھیک ہے نا ہماری ملاقات ایسے ہی ہونا

تھی۔“ وہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔ شاید

ہمت نہیں پا رہی تھی۔ یا اپنے اندر اچانک جل اٹھنے

والے اور اک کے اک تھنے سے دیے سے خوفزدہ ہو

گئی تھی۔ اس نے اس شخص کو اک خوب صورت

خواب کی طرح سوچا بہت تھا۔

”مگر میں نے یہ بھی نہیں چاہا تھا کہ ہماری ملاقات

یوں ہو۔“ اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی کے رنگ

ابھرے۔

”رامش! آئی ایم ساری۔“ وہ بدقت بولی۔

”نہیں۔ تم نے انکار کر دیا۔ اچھا کیا۔ تمہیں حق



"لانا! آئی ایم اے ٹائٹ چائلڈ" آپ بابا کے ساتھ نہیں رہنا چاہیں تو اس کی کوئی رہنمائی تھی۔ اب یہاں سے جارہی ہیں تو اس کی کوئی معقول وجہ تو ہوگی۔ اگر تمہارا مقصد تھا تو لاہور والا گھر پر تھا آپ گزشتہ دو سال سے وہاں بابا سے الگ رہ رہی تھیں۔

"وہ گھر تمہارا بابا کا تھا۔" "سو واٹ بابا کے ساتھ آپ کا رشتہ ختم تو نہیں ہو گیا۔ ان کی ہر چیز پر آپ کا حق ہے۔" اس نے جرح کی۔

"حق تب تک ہوتا ہے جب تک تسلیم کیا جائے۔" "تسلیم کرنے سے حق ختم نہیں ہو جاتا۔"

"ہانیہ! انہوں نے بیچ ہو کر اسے دیکھا" ختم کر دیا۔ بحث اور پکڑنا بند کر دیا۔ "جب آپ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہوتا تو آپ مجھے یونہی ٹال دیتی ہیں۔ یا آپ مجھے اپنا سمجھتی ہیں۔ اس دن بابا کا خون آیا آپ دیکھیں مگر آپ نے مجھے کچھ نہیں بتایا اور۔"

"دشٹ اب ہانیہ احمد ایڈیٹ لاسٹ۔" وہ فہرلاؤز کر رہی تھیں ہانیہ کچھ لے آئیں دیکھتی رہی۔ پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

تیز معصوم چیخ کے ساتھ ہی گاڑی کے پیسے چرچا اٹھ کر گاڑی والا رکا نہیں ہوا ہو گیا۔ ہانیہ احمد کا پاؤں بے اختیار بریک پر پڑ گیا۔ تیزی سے دو اتارہ سول لڑوہ باہر نکلی۔ اونڈھے پڑے سچے کو سیدھا کیا۔ وہ سب سے پہلے اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ پھر بری طرح زخمی تھا۔ پورا چہرہ لولہ لولہ اور بے ہوش ہانیہ احمد نے اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈالنے کی کوشش کی۔ مگر وہ آٹھ دس سال کا صحت مند بچہ تھا اور پھر بے ہوش اس نے مذد کے لیے ارد گرد دیکھا۔ مگر سڑک خالی تھی۔ اکا دکا گاڑی اگر رکی بھی تو بات سے بغیر کسی حادثے کا جائزہ لے کر گزر گئی۔

"یا خدا اتنی بے حس۔" اس کے ہاتھوں کی لرزش

حقیقتاً اسے بچے کو سنبھالنے میں ناکام بن رہی تھی۔ بچے کے ماتھے سے مسلسل خون نکل رہا تھا۔ اس نے گٹھ سے اسٹارف کھینچ کر اس کے خون بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پھر اوپر اوپر دیکھا۔ سڑک کے دونوں اطراف میں خوبصورت، ہنگوڑا کاسلسلہ تھا۔ پھر یہیں کہیں سے نکلا ہو گا کہ گاڑی سے نکل گیا۔

"ایک کیوڑی" خیریت تو ہے نا۔ "خوبصورت مردانہ آواز پر وہ بریل طرح جھنجھلائی۔

"کیا۔" خیریت نظر آ رہی ہے آپ کو؟ "میرا مطلب ہے شاید آپ کو میری مدد کی ضرورت ہے۔" ساتھ ہی اس نے بیچوں کے بل بچے کی طرف گھمایا۔

"مجھے یقیناً" آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ پلیز اسے اٹھا کر گاڑی میں ڈال دیں۔" وہ ملتی جلتی میں بولی۔

"خود کو سنبھالیں۔ بچہ زیادہ زخمی نہیں ہے۔" ہانیہ کو اس قدر ہراساں دیکھ کر اسے سلی دینا پڑا۔

"خود کو سنبھالیں۔" اس نے بچے کو اٹھاتے ہوئے بولنا شروع کیا۔ "بے ہوش تو وہ تو ہے ہوا ہے۔" ہانیہ چڑ کر بولی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بچہ تھا۔" خیریت ہو گیا۔ "اس نے بچے کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر احتیاط سے لٹاتے ہوئے کہا۔ ہانیہ نے جل کر اس کی پشت کو گھورا اور بریٹائی۔

"خود کے آگے ہوتی تو دیکھتی۔" "آپ نہیں اس کے پاس میں ڈرائیونگ کرتا ہوں درنہ۔" وہ سراسیمہ ٹنٹ تینی ہے۔ "ہانیہ خاموشی سے لپک کر بیچہ کی آواز بچے کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ گاڑی ایک نزدیک ترین چھوٹے سے کلینک کے سامنے جا تھی تو وہ پھر سے جھنجھلائی۔

کئی سبب۔ "آپ خاموشی سے میرے ساتھ چلیں۔" اس نے بچے کو اٹھاتے ہوئے کہا۔ ہانیہ کو عجیب و غریب اس کے ساتھ جانا پڑا۔ ڈاکٹر نے بینڈج اور ڈیپھر ساری تلی کے بعد انہیں فاسٹ کیا تھا۔ بچہ بھی ہوش میں آ گیا۔

"جس اتنی سی بات تھی۔" ہانیہ کی گویا جان میں جان آئی۔ "جی ہاں بس اتنی سی بات تھی۔" اس نے بظاہر سرسری نگاہ ڈال کر شرٹ میں ملبوس اس منفرس لڑکی کو دیکھا جو وہاں ہاتھ بچے کے کندھے پر رکھے اب ٹھنسن سی نظر آ رہی تھی۔

"آپ چلیں علی۔" اس نے بچے کو کر علی سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

ہانیہ احمد نے پہلی بار اپنے مددگار کو غور سے دیکھا۔ لبا قد مضبوط جسم است اور بے حد خوبصورت گہری آنکھیں۔ اسٹارف بریک ٹنٹ "خوبی" لڑکی۔

"آپ کیا کرتے ہیں؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔ سامنے والے ڈارک براؤن آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اس ملک کی سرحدوں کا محافظ ہوں۔" "لو! آرمی میں ہیں آپ!" "جی ہاں۔ آرمی میں۔" کپٹن ہوں۔ "کپٹن رامش منظور۔" "کپٹن رامش۔" وہ بے اختیار چونکا۔ ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور مسکرا دیا۔

"جی ہاں۔ وہ میرا بہترین دوست ہے۔ ہماری پوسٹنگ ایک ساتھ ہوئی تھی۔" "آئی سی! آج کل وہ لاہور میں ہوتے ہیں۔" ہانیہ نے ہاتھ پر بکھرتے چھوٹے چھوٹے بالوں کو انگلی کی مدد سے پیچھے ہٹایا۔

"جاننا ہوں۔"

"میں اب چلتی ہوں۔ علی کے گھر والے بھی پریشان ہوں گے۔" ہانیہ نے علی کا ہاتھ تھام لیا۔ "آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔" اس نے پلٹے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ہانیہ احمد۔" "عزابی لیوں پر مہم مسکان گہری ہو گئی۔

"اور آپ کا نام؟" "آپ مجھے کھانڈ کر لیں۔" وہ خوبصورتی سے ٹال گیا۔

"کھم لول!" ہانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا پھر قدرے غلطی سے بولی۔

"گویا آپ بتانا نہیں چاہتے۔" جواب ایک مسکراہٹ تھا۔ ہانیہ نے جڑ کر علی کا بازو تھاما اور اسے بغیر لفٹ کی پیشکش کے اپنی گاڑی کی طرف آگئی۔ علی سے اس کے گھر کا پتا پوچھ کر اسے چھوڑنے لگی تو سوسپ کا سفر اختتام پذیر ہونے کو تھا۔ وہاں وہی حال تھا جو بچے کی گمشدگی کے بعد کسی بھی والدین کا ہو سکتا تھا۔

احساس تشکر سے چور علی کے می ڈیڈی نے اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود چائے پیسے بغیر نہیں آنے دیا۔ وہ واپس لوٹی تو دن کے اچالے میں رات کی سیاہی کے چھینٹے بڑھکے تھے۔ ممالاؤنچ میں بیوی کھولے کوئی ڈاکو منڈی فلم دیکھ رہی تھیں۔

"یہ کون سا وقت ہے گھر لوٹنے کا۔" وہ چھوٹے ہی بولیں۔ ہانیہ ایک طویل سانس لے کر رہ گئی۔ "میں لاہور میں اس سے زیادہ دیر سے گھر آیا کرتی تھی مہما۔"

"وہ لاہور تھا اور یہ بہت چھوٹا سا شہر ہے۔ یہاں مارکیٹ نکل جاو تو ہر کوئی پہچان لیتا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں۔"

"آئی ڈونٹ کیئر۔" "ہاں تمہیں تو اب میری پروا بھی نہیں رہی۔" انہوں نے شکوہ کیا۔ ہانیہ نے خیر سے انہیں دیکھا پھر لب بکھینچ کر اوپر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ نہ جانے ان کا



حاصل ہے۔ مگر میں سمجھوں گا کہ میرے جذبات میں کھوت تھا۔ کہیں کوئی کمی تھی میری دعاؤں میں۔ اس کے تھمبر لہجے پر ہانیہ کا دل دھڑک اٹھا۔ اک احساس نیاں نے اس کے دل کا گھیراؤ کیا تھا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ اس نے مست دھیان سے سنا۔ رامش نے ایک بل کو اسے دیکھا۔ پھر میز پر ہتھیلی کا دیو ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

”تم جلی جاؤ گی تو میں ہم سب تمہیں یاد دہشت کریں گے۔“

وہ کہہ کر چلا گیا تھا اور ہانیہ ساکت رہ گئی۔

”اور مجھے یوں ہی تو احساس نہ ہوتا تھا کہ تمہیں کوئی کمی کوئی غلطی ہو رہی ہے۔“

میز کی لٹھری سطح پر بیٹھائی نکلتے ہوئے اس نے گویا تھک کر سوچا تھا۔

”تمہارے پیلا آتے ہیں ہانیہ۔“ سیمل نے آکر اطلاع دی۔ وہ جو شیراز کی اونٹ بھاگ باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کر رہی تھی تو تک گئی۔

”گناہ ہیں۔“

”لاؤں نہیں۔“ سیمل کچھ عجیبہ سی نظر آئی۔

”اور ملا۔“ وہ اٹھتے اٹھتے پوچھنے لگی۔

”وہ بھی وہیں ہیں۔“ سیمل نے شیراز کو دیکھا۔ ”تم چلو میں چائے بھجوا رہی ہوں۔“ اور ساتھ ہی شیراز کو اشارے سے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ ہانیہ سر ہلا کر لاؤن کی طرف آئی۔

”اب تم کیا کہتی ہو عالیہ! وہ میری بیٹی تھی اس کا فیصلہ میرے حق میں ہی ہوا۔ ثابت ہو گیا کہ خون کی کشش کتنی اہمیت رکھتی ہے۔ تم نے لاکھ جتن کیے مگر تم ہار گئیں۔ کیونکہ ہارنا تو تمہیں ہی تھا۔“

پیلا کے لہجہ و الفاظ میں کچھ تو ایسا تھا کہ وہ نمٹنا نہ کر سک گئی۔

”میں نے تو ہار جیت کا کوئی کھیل نہیں کھیلا تھا احمد حسن! تم نے نجانے کیوں انا کا مسئلہ بنا لیا۔“ ماما کی آواز سے تھکن مترشح تھی۔

”تم نے مجھ سے میری بیٹی چھیننے کی سازش کی تھی عالیہ یکدم۔“

”میں نے تم سے اپنی بیٹی مانگی تھی احمد حسن! بھکاری کی طرح جو اسن پھیلایا تھا تمہارے سامنے۔“

ہانیہ نے دروازہ ذرا سا کھول دیا۔ آواز اس طرح طور پر آنے لگی تھی سیلا کہہ رہے تھے۔

”تم یہ حقیقت تسلیم کیوں نہیں کر لیتیں عالیہ کہ ہانیہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔ تم نے محض اسے اپنے ”پیلا کی سفاک آواز نے تیز دھار کھوار کی طرح ہانیہ کے وجود کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ یہی سب یقینی تھی سو وہ گویا خلا میں معلق ہو گئی۔“

”جب میں تمہارے گھر میں آئی تھی۔ تو مجھے پہلے دن ہی احساس ہوا تھا۔ میں ان چاہی ہستی ہوں۔ مجھے صرف ہانیہ کے لیے لایا گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں اس کے گول پھول سے وجود کو نفرت کی آگ میں جلا کر رکھ کر رکھ کر دیتی۔ مگر احمد حسن میں نے ہانیہ کے وجود کو اپنی ہتھیالیوں میں دعا کی طرح سنبھالا تھا۔ تم مجھے بھول گئے۔“

”میں نے کبھی نہیں کہہ تمہارے گھر میں جنہوں اور انہوں کے معیاروں کے اک ہی پورے وجود کے۔“

مگر میں ہانیہ کو بھی نہیں بھولی۔ اس کے وجود میں میرا سکون تھا۔ چاہتی تو سب کچھ چھوڑ کر لوٹ آتی مگر میں ہانیہ کی اصل بن گئی۔ اک عمر گزار دی اس گمان میں کہ میری کوئی بیٹی نہیں تو وہ ہانیہ جیسی ہی ہوتی۔ تو پھر ہانیہ کیوں نہیں پاگل ہو گئی تھی اس کی محبت میں۔ ماما کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش کی۔

”کہہ رہی تھیں۔ ہانیہ کو معلوم بھی نہ ہوا وہ کب رونے لگی۔“

”تم نے میری شادی کی اجازت مانگی احمد حسن! ہم میں سے روکا نہیں۔ میں نے کہا مجھے ہانیہ دے دو۔ میں اسے یہاں لے آئی۔ مگر میں نے اپنی بیٹی کو بہت دکھا دیا۔ اسی خوف کے زیر اثر بھی اسے پیار بھی نہ کر سکی کہ تم اسے لے جاؤ گے۔ جب تم نے فون پر مجھے بارڈن کے پرنٹل کے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی تم اصرار کے ساتھ اسے جانے لگے تو میں ڈر گئی۔“

”تم نے میری شادی کی اجازت مانگی احمد حسن! ہم میں سے روکا نہیں۔ میں نے کہا مجھے ہانیہ دے دو۔ میں اسے یہاں لے آئی۔ مگر میں نے اپنی بیٹی کو بہت دکھا دیا۔ اسی خوف کے زیر اثر بھی اسے پیار بھی نہ کر سکی کہ تم اسے لے جاؤ گے۔ جب تم نے فون پر مجھے بارڈن کے پرنٹل کے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی تم اصرار کے ساتھ اسے جانے لگے تو میں ڈر گئی۔“

”میرے پاس تھا ہی کیا ہانیہ کے سوا۔“

”کچھ سوچا ہی نہیں اور جلد بازی میں ہانیہ کو خود سے لے کر اس گھر سے بد ظن کر بیٹھی۔“

”پیلا نے تسلیم کھیلا۔“ وہ ”تو بارڈن کا پرنٹل لے کر آیا۔“

”اگر ہانیہ کو بلا گیا۔“

”تم نے کہا عالیہ اگر میری بیٹی تمہارے ساتھ رہے گی تو تم اپنے بھائی کے گھر نہیں رہو گی۔ میں نے ہانیہ کے لیے علیحدہ گھر بھی لے لیا تھا۔ مگر اب اب اس میں رہا ہے وہ تمہاری بیٹی تھی اور میں میں نے آند جیوں میں چراغ جلانے کی کوشش کی تھی۔“

”انجام تو یہی ہوتا تھا۔“

”وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔“

”اباؤ احمد حسن! میں نے ہانیہ تمہیں دی۔“

”بھٹ کے لیے سوپ دی کہ مجھے آج بھی اس کی خوشبو سب سے زیادہ عزیز ہے۔“

”ابا۔“

”میرا جو تک کر پٹیں۔“ پھر ضبط سے ”میرا۔“

”جا رہی ہوں۔“

”میرا۔“

”ہانیہ خاموشی سے کھڑی رہی۔ آنسوؤں کے آنے کے بعد وہ نواں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھا۔ پھر ان کے لپوں نے اس کے ماتھے پر ایک طویل بوسہ دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی بار ہانیہ کو اپنی گود میں لیتے تھے۔

”خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔“

”ماما! اسی آف کرنے دروازے تک نہیں آئیں گے۔“

”ہانیہ نے کہا تو وہ بڑے ضبط سے مسکرائیں۔“

”ہاں کیوں نہیں۔“

”تو چلیں۔“ ہانیہ نے ننھی پنکی کی طرح ان کا ہاتھ ختم لیا۔ لاؤنچ میں سب سی ان کا انتظار کر رہے تھے۔ اک سکوت سا طاری تھا۔

”چلیں ہانیہ۔“ پیلا گویا اسی کے انتظار میں تھے۔ ماما کے اہل سے تسکین کی گئی۔

”ماما! ہانیہ نے ایک نظر سب کو دیکھا پھر احمد حسن کے سامنے آئی تھی۔“

”میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔“

”ہانیہ!۔“

”میں ماما کے ساتھ رہوں گی بیٹھ اور میں وہیں شادی کروں گی جہاں ماما چاہیں گی۔“ اس نے ٹھوس لہجے میں کہا اور پھر رکی نہیں ان سب کو ہکا بکا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

”ہانیہ! ہانیہ تم نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔“

”شیراز اور سیمل فوراً اس کے پیچھے آئے تھے۔“

”اس میں سوچتے سمجھتے والی کیا بات ہے۔ ماما کی ریاضتوں کا کچھ تو صلہ ہو۔ بہت حکیم ہیں سیمل اور میں۔ میں بہت بری ہوں۔ میں نے انہیں بہت دکھ دیے ہیں۔“ وہ رو رہی تھی۔

”آپ بہت اچھی ہیں ہانیہ! یقین کر لیں کہ یہ نہ ہم کہہ رہے ہیں۔“ شیراز نے تسلی دی تھی۔ تب ہی ماما جلی آئیں۔ اک شادی مرگ کی سی کیفیت تھی پاؤں زمین پر نہ پڑ رہے تھے۔ اسے گلے سے لگا کر رو پڑیں۔ مگر ان آنسوؤں میں خوشی کا رنگ غالب تھا۔

”تم نے تو مجھے مالا مال کر دیا ہانیہ۔“

”آپ نے مجھے معاف تو کر دیا ماما۔“

”معافی کس بات کی؟“ انہوں نے ہتھیالیوں سے اس کے آنسو صاف کیے۔

”میں نے آپ کو بہت غلط سمجھا تھا ماما۔“

”تو اب تلافی تم بھی تو کر دو۔“

”سیمل نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو علیحدہ کیا۔ تو وہ دونوں آنسوؤں میں مسکرا دیں۔“

UrduPhoto.com